فیصل شہزاد کا نیا کارنامہ

# کالا گلاب کی تباہی

IMRAN





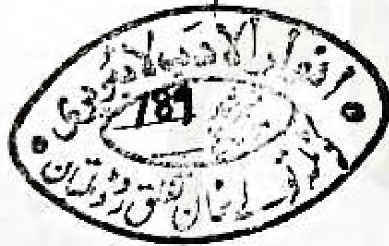




فیصل شہزاد اور ڈریکولا کا نیا جاسوسی کارنامہ ۱۴

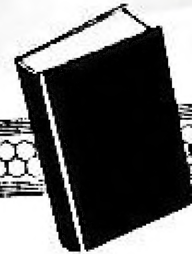
# کالا گلاب کی تباہی

مظہر کلیم ایم اے

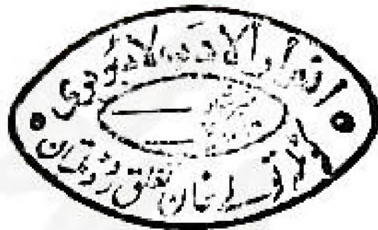


یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان

ناشران ـــــــ اشرف قریشی
ـــــــ یوسف قریشی
پرنٹر ـــــــ محمد یونس
طابع ـــــــ ندیم یونس پرنٹرز لاہور
قیمت ـــــــ ۹/- روپے







ہا۔ ہا۔ ہا۔ اب میں دیکھوں گا کہ یہ پاکیشیائی جاسوس میرے ہاتھوں سے کیسے بچ نکلتے ہیں۔ میں انہیں قیمہ بنانے والی مشین میں ڈال دوں گا۔ میں ان کی بوٹی بوٹی علیحدہ علیحدہ کر دوں گا۔ میں ان کا جسم آرے سے چیر دوں گا۔" مسلم اصفہانی نے رسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے پاگلوں کے سے انداز میں قہقہے لگانے شروع کر دیئے۔

اس وقت وہ خوش تھا بے حد خوش۔ اس کا رُواں رُواں خوشی سے ناچ رہا تھا۔ چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ آج اس کی پرانی حسرت پوری ہونے والی تھی۔ ان پاکیشیائی جاسوسوں نے اُسے بے حد ذلیل کیا تھا۔ اسے بہت تنگ کیا تھا۔ ہر بار ہاتھ سے نکل جاتے تھے مگر آج وہ اس

کے ہیڈ کوارٹر میں بے بس پڑے ہوئے تھے۔ آخر کار وہ جیت گیا تھا۔

"مگر باس پچاس لاکھ ریال تو بہت ہوتے ہیں کیا ضرورت تھی قاچار کو اتنی رقم دینے کی۔" میز کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے اس کے نائب نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"اسفندیار۔ تم ابھی میرے نائب ہو۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے میں نے قاچار کو اتنی رقم کے اصلی نوٹ دیئے ہیں۔ یہ بات نہیں۔ میں احمق نہیں کہ اس جیسے غدار کو اتنی دولت دے دوں۔ وہ نوٹ بظاہر اصلی ہیں لیکن ایک گھنٹے بعد ان پر چھپی ہوئی ساری عبارت اور ڈیزائن غائب ہو جائے گا۔ اور پھر قاچار کے پاس سادے کاغذ کے ٹکڑوں کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے گا۔" مسلم اصفہانی نے ایک بار پھر قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

"اوہ باس۔ آپ واقعی گریٹ ہیں۔ آپ کی ذہانت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر باس آپ نے اپنے تین آدمی بھی تو ان جاسوسوں کے



میک اپ میں بھیجے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ قاچار نوٹوں کے سادہ کاغذ بنتے ہی ان پر تشدد کرے اور اس طرح ہیڈ کوارٹر کا پتہ معلوم کر لے۔" اسفند یار نے ایک خیال آتے ہی پوچھا۔

"تم فکر مت کرو۔ وہ تینوں آدمی ہمارے لئے فضول تھے۔ اس لئے میں نے انہیں بھیجا ہے۔ یہ تو صرف قاچار کو چکر دینے کے لئے کیا گیا ہے۔ اگر میں یہ کام نہ کرتا تو وہ وزیراعظم کے خوف سے پاکیشیائی جاسوسوں کو ہمارے حوالے نہ کرتا۔ ان تینوں آدمیوں کے پیٹ میں میں نے انتہائی چھوٹے سے مگر انتہائی طاقتور بم پہنچا دیئے ہیں۔ یہ بم وائرلیس کے ذریعے یہاں بیٹھے تباہ کر سکتا ہوں۔ جانتے ہو اس سے کیا ہوگا۔ جیسے ہی قاچار ان تینوں کو وزیر اعظم ہاؤس میں پہنچائے گا۔ میں بموں کو تباہ کر دوں گا۔ اس طرح پورا وزیر اعظم ہاؤس معہ وزیر اعظم کے تباہ ہو جائیگا۔ کیونکہ موجودہ وزیر اعظم ہمارے خلاف ہیں۔ اسلئے ہم ان سے چھٹکارا پانا چاہتے ہیں۔ ان کے بعد جو پارٹی لیڈر ہے اور جو وزیر اعظم بنے گا وہ

ہمارا آدمی ہوگا۔ اس کے وزیر اعظم بننے کے بعد اصل حکومت کالا گلاب کی ہو جائے گی اور ہم اس ملک میں دل بھر کر اور جی کھول کر من مانی کریں گے۔ یہاں اس ملک پر کالا گلاب کی حکومت ہو جائے گی۔ اور میں کالا گلاب کا چیف باس اس ملک کا اصل حاکم بن جاؤں گا"۔ مسلم اصفہانی نے خوشی سے باچھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب۔ بہت خوب باس۔ واقعی آپ کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ آپ ہر قدم پوری طرح سوچ سمجھ کر اٹھاتے ہیں"۔ اسفند یار نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ اب آؤ ان پاکیشیائی جاسوسوں کا خاتمہ کریں۔ انہوں نے بہت دن جی لیا ہے۔ اب انہیں مرنا چاہیئے"۔ مسلم اصفہانی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اور اسفندیار بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اور پھر وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرے سے باہر نکلے۔

اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے۔ ایک راہداری کو پار کرتے ہوئے ایک دوسرے کمرے میں آگئے۔



اسفند یار نے کمرے میں داخل ہوتے ہی سوئچ بورڈ کے کونے میں لگا ہوا ایک چھوٹا سا بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی کمرہ کسی لفٹ کی طرح تیزی سے نیچے اترنا شروع ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کمرے کی حرکت بند ہو گئی۔ تو وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اب وہ ایک راہداری میں چل رہے تھے۔ اس راہداری کے آخر میں وہ تہہ خانہ تھا جہاں اس وقت فیصل شہزاد اور ڈریکولا بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ تہہ خانے کا لوہے کا دروازہ بند تھا۔

مسلم اصفہانی اور اسفند یار اس دروازے کے کی طرف بڑھنے کی بجائے ساتھ دیوار میں موجود ایک اور چھوٹے سے دروازے پر رک گئے۔ مسلم اصفہانی نے جیب سے ایک چابی نکال کر اس کی مدد سے دروازے کا تالا کھولا اور پھر دروازہ کھول کر وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جس کی جنوبی دیوار مکمل طور پر شفاف شیشے کی بنی ہوئی تھی۔ ایسے شیشے کی جس پر توپ کا گولہ بھی اثر نہ کرتا تھا۔ شیشے کی دیوار کی دوسری طرف ایک

بڑا سا تہہ خانہ نظر آ رہا تھا۔ جس کے فرش پر شہزاد فیصل اور ڈریکولا ٹیڑھے میڑھے انداز میں بیہوش پڑے ہوئے تھے۔

شیشے کی دیوار کے اس طرف ایک دیوار جتنی لمبی اور میز جتنی چوڑی مشین لگی ہوئی تھی جس پر بہت سے بٹن ڈائل اور بلب لگے نظر آ رہے تھے۔ اس مشین کے ساتھ دو چوڑی نشست والی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ مسلم اصفہانی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اس نے کرسی پر بیٹھ کر اسفند یار کو دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور خود اس نے مشین کے نیچے لگے ہوئے ایک بڑے سے ہینڈل کو کھینچ کر نیچے کر دیا۔

ہینڈل کے نیچے ہوتے ہی مشین میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ مشین کے اوپر لگا ہوا ہر بلب تیزی سے جلنے بجھنے لگا۔ اور ڈائل میں سوئیاں تھرتھرانے لگیں۔ اور مشین میں سے ہلکی ہلکی گونج سنائی دینے لگی۔

"اب دیکھو تماشا اسفند یار۔ ایسا تماشہ تم نے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔" مسلم اصفہانی نے



ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے نائب سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور پھر ہاتھ بڑھا کر مشین پر لگا ہوا ایک بٹن دبا دیا۔ بٹن دبتے ہی ایک بڑے سے ڈائل پر سرخ رنگ کی سوئی تیزی سے گھوم کر دوسری سمت میں چلی گئی۔ اور مشین سے نکلنے والی گونج تیز ہوتی چلی گئی۔ اور اس تہہ خانے میں ہلکے نیلے رنگ کا دھواں بھرتا چلا گیا۔ جب پورے تہہ خانے میں، دھواں پوری طرح بھر گیا تو مسلم اصفہانی نے ایک اور بٹن دبا دیا۔ اور ڈائل پر موجود سوئی تیزی سے واپس اپنی پرانی جگہ پر آ گئی اور اس کے ساتھ ہی دھواں بھی غائب ہوتا چلا گیا۔ چند لمحوں بعد دھواں ختم ہو گیا تو فرش پر بیہوش پڑے ہوئے فیصل شہزاد اور ڈریکولا کے جسموں میں بھی حرکت پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ وہ ہوش میں آ رہے تھے۔ مسلم اصفہانی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تیرنے لگی۔ وہ غور سے ان تینوں کو ہوش میں آتے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ تینوں ہی باری باری اچھل کر بیٹھ گئے۔ اور حیرت بھری نظروں سے

ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔ اور جب ان کی نظریں شیشے کی اس دیوار کے باہر بیٹھے ہوئے مسلم اصفہانی پر پڑیں تو وہ بُری طرح چونک پڑے۔

"تمہیں ہوش آ گیا ہے۔ دیکھو اس وقت تم میرے قبضے میں ہو۔ اب میں تم سے سارے پرانے بدلے چکاؤں گا۔ تمہیں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ کتے جیسی موت۔" مسلم اصفہانی نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز تہہ خانے میں جا رہی تھی۔

"مگر ہم تو اپنے کمروں میں سوئے تھے۔ اس کمرے کیسے پہنچ گئے۔" شہزاد نے حیرت بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تم واقعی اپنے کمروں میں سوئے تھے۔ اس کوٹھی میں جس کی حفاظت سیکرٹ سروس کر رہی تھی۔ لیکن تم کالا گلاب کی طاقت سے واقف نہیں ہو۔ دیکھو جب میں نے چاہا تمہیں یہاں بلوا لیا۔ اب تم میرے رحم و کرم پر ہو۔" مسلم اصفہانی نے بڑے فخریہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مگر ہم یہاں آئے کیسے۔ ہمیں تو پتہ ہی نہیں



چلا؟" فیصل نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"سُنو۔ یہ کہانی بھی سُن لو۔ تم نے اب مر تو جانا ہی ہے۔ اس لئے تمہیں سب کچھ بتانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سُنو۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ وزیر اعظم صاحب نے تمہیں واپس جانے کا حکم دے دیا ہے اور تم صرف چند دن آرام کرنے کے لئے یہاں رُک گئے ہو۔ چنانچہ میں نے ایک داؤ کھیلا۔ میں نے کوٹھی پر موجود انچارج قاچار سے سودا بازی کی۔ وہ بہت لالچی آدمی ہے۔ میں نے پچاس لاکھ ریال دے کر تمہیں اس سے خرید لیا اور وہ تمہیں بیہوش کر کے میرے حوالے کر گیا۔ اس طرح تم میرے قبضے میں آ گئے۔" مسلم اصفہانی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"مگر قاچار وزیر اعظم کو کیا جواب دے گا۔ وہ تو اُسے پھانسی چڑھا دیں گے۔" شہزاد نے کہا۔

"ہا۔ ہا۔ ہا۔ اس کا بھی انتظام کر لیا گیا ہے میں نے تمہارے میک اپ میں اپنے آدمی بھیج دیئے ہیں۔ وہ انہیں وزیر اعظم کے پاس بھیج دے گا۔ اور پھر اُنہیں پروگرام کے مطابق جہاز

پر سوار کر کے تمہارے ملک بھیج دیا جائے گا۔ اس طرح وزیر اعظم اپنی جگہ مطمئن ہو جائیں گے۔ اور تمہارا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

——— مسلم اصفہانی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر وزیر اعظم صاحب بہت ذہین ہیں۔ وہ میک اپ کے باوجود اصلی اور نقلی کا فرق پہچان لیں گے"۔ شہزاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ تم نے واقعی ٹھیک کہا ہے۔ مگر میں نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔ میں نے ان آدمیوں کے پیٹ میں طاقتور بم ڈال دیے ہیں جب وہ وزیر اعظم کے پاس بیٹھیں گے تو میں یہاں سے وائرلیس کے ذریعے وہ بم تباہ کر دوں گا۔ اس طرح میرے آدمیوں کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم اور ان کی پوری کوٹھی بھی تباہ ہو جائے گی۔ اس کے بعد وزیر اعظم بننے کا جس کا نمبر ہے وہ ہمارا آدمی ہے۔ کالا گلاب کا آدمی۔ اس طرح حکومت عملی طور پر کالے گلاب کے



پاس آ جائے گی اب سمجھے۔" مسلم اصفہانی نے مزید پروگرام بتاتے ہوئے کہا

"تم نے واقعی بڑا گہرا چکر چلا رکھا ہے لیکن مسلم اصفہانی تم اب بھی کامیاب نہ ہو سکو گے بلکہ تم نے خود اپنی موت کو آواز دی ہے۔ تم ہمیں خود اپنے ہیڈ کوارٹر لے آئے ہو۔ حالانکہ ہم تو تمہارے ہیڈ کوارٹر کو ڈھونڈنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے لئے ہم نے سنہری نقاب کا چکر بھی چلایا تھا۔ لیکن اب ہمارا مقصد خود بخود حل ہو گیا ہے۔" شہزاد نے بڑے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا۔ تو یہ سنہری نقاب کا چکر تمہارا تھا۔ بہت خوب۔ تم نے سوچی تو بہت دور کی تھی۔ چلو اچھا ہوا تم نے یہ بتا کر ہمیں مزید پریشانی سے بچا لیا۔" مسلم اصفہانی نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"تو کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم نے تمہاری ہمدردی کی بنا پر تمہیں سنہری نقاب کے متعلق بتایا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہم نے سنہری

نقاب کی آڑ میں نہ صرف تمہارے ہیڈکوارٹر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی بلکہ ہم نے تاجدار کے علم میں آئے بغیر وزیر اعظم سے رابطہ قائم کیا اور پھر ہم نے انہیں ایک راز کی بات بتا دی ہے۔ ایسی بات کہ اب تم حکومت کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتے۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"جو مرضی آئے تم کرتے رہے لیکن اب تم لاکھ چکر چلاؤ۔ اب تم موت کے پھندے سے نہیں بچ سکتے۔ تو تیار ہو جاؤ مرنے کے لئے۔" مسلم اصفہانی نے سخت لہجے میں کہا۔ اور اس نے جھک کر مشین کا ایک بٹن دبا دیا بٹن دبتے ہی وہ جگہ جہاں وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک چوکور ٹکڑا باقی فرش سے کٹ کر تیزی سے چھت کی طرف بلند ہوتا چلا گیا۔

اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے، ٹکڑا جتنی تیزی سے بلند ہوا تھا۔ اتنی ہی تیزی سے واپس نیچے ہو گیا۔ اور وہ خاصی بلندی سے دھڑام سے فرش پر آ گرے۔ پختہ فرش کی وجہ سے انہیں



خاصی چوٹیں لگیں۔ اور ان کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ مگر دوسرے لمحے پہلے سے بھی بڑا ٹکڑا تیزی سے بلند ہوا اور پھر نیچے ہو گیا اور اس طرح وہ ایک بار پھر نیچے آ گرے۔ اس بار ان کے حلق سے پہلے سے کہیں زیادہ بلند چیخیں نکلی تھیں اور پھر اس عمل میں بجلی کی سی تیزی آتی چلی گئی۔ وہ اوپر اٹھتے، نیچے گرتے، پھر اوپر اُٹھتے۔ اور پھر نیچے گر پڑتے ان کے حلقوں سے اب مسلسل چیخیں نکل رہی تھیں۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ہڈیاں ٹوٹ رہی ہوں۔ وہ بچنے کی کوشش کرتے۔ لیکن یہ سارا عمل اتنی تیزی سے ہو رہا تھا کہ ان کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ اور وہ اس طرح اوپر اٹھ کر نیچے گر رہے تھے جیسے جمناسٹک کا مظاہرہ کر رہے ہوں۔

"اس طرح تمہارے جسم کی ایک ایک ہڈی ٹوٹ جائے گی لیکن تم پھر بھی مرو گے نہیں پھر تمہیں اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ عمل سے گزرنا پڑے گا۔" مسلم اصفہانی نے قہقہہ مارتے

ہوتے کہا۔ اس کی آنکھیں اس دلچسپ تماشے کو دیکھ کر خوشی سے چمک رہی تھیں۔ جبکہ ادھر فیصل شہزاد اور ڈریکولا کی جان پر بنی ہوئی تھی واقعی انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ہڈیاں ٹوٹتی چلی جا رہی ہوں۔ مگر وہ بے بس تھے بالکل بے بس۔



قاچار نے ٹیلیفون کا ریسیور رکھا اور کچھ دیر خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کا ذہن کوئی لمبا منصوبہ سوچ رہا تھا۔ سیکرٹ سروس کا چیف فیصل شہزاد اور ڈریکولا کو ہاتھ سے گنوا بیٹھا تھا۔ اور اب اس نے حکم دے دیا تھا کہ وہ نقلی پاکیشیائی جاسوسوں کو گولی مار دے تاکہ ان کی لاشیں وزیر اعظم کو پیش کر کے یہ کہا جا سکے۔ کہ مجرموں نے کوٹھی پر حملہ کیا اور وہ ان جاسوسوں کو ختم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح وزیر اعظم صاحب سے تو وقتی طور پر جان چھڑائی جا سکتی تھی لیکن قاچار سوچ رہا تھا۔ کہ کیوں نہ وہ ایک تیر میں دو شکار کرے اگر وہ وزیر اعظم صاحب کو ٹیلیفون کر کے کہانی کو کچھ اس طرح بیان کرے

کہ سارا زور سیکرٹ سروس کے چیف ہامانی پر پڑ جائے اور اس طرح وزیر اعظم صاحب فوراً ہامانی کو برطرف کر دیں گے اور یقیناً اس کے بعد وہ سیکرٹ سروس کا چیف بن جائے گا۔ اور اس طرح اس نے پچاس لاکھ ریال بھی کما لیے تھے۔ اور بڑا عہدہ بھی حاصل کر لینا تھا۔

لیکن اس سلسلے میں ایک قباحت اور بھی تھی کہ ہامانی وزیر اعظم صاحب کو بتا دے گا کہ قاچار انہیں خود کار میں چھوڑ کر آیا ہے۔ اور اس نے ہزار ریال بھی لئے ہیں۔ گو وہ لاکھ وزیر اعظم صاحب کو اس بات کا یقین دلاتا رہے گا کہ اس نے یہ سب کچھ ہامانی کے حکم پر کیا ہے لیکن وزیر اعظم صاحب انتہائی شکی آدمی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کھٹک جائیں اور ہامانی کے ساتھ وہ بھی رگڑا جائے۔ اس لئے اس نے اور کوئی ترکیب سوچنی شروع کر دی۔

اور پھر اچانک وہ ایک ترکیب ذہن میں آتے ہی اچھل پڑا۔ اور پھر اس نے فوراً ہی اس ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ اور اس



نے ٹیلیفون کا رسیور اٹھا کر جلدی سے ہامانی کے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ ابھی اس نے آدھے ہی نمبر ڈائل کئے تھے کہ اچانک اس کے ذہن میں ایک اور خیال بجلی کی رو کی طرح لہرایا اور اس نے کریڈل دبا کر پھرتی سے ایکسچینج کے نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔

چند لمحوں بعد ہی انکوائری سے رابطہ مل گیا اور ایک سادہ سی آواز سنائی دی۔

"یس۔ ایکسچینج انکوائری۔ فرمایئے" بولنے والے کا لہجہ انتہائی سادہ تھا

"چیف آف سیکرٹ سروس بول رہا ہوں"

قاچار نے انتہائی تحکمانہ لہجے میں جواب دیا

"یس فرمایئے" آپریٹر کا لہجہ یکدم مؤدبانہ ہو گیا۔

"کیا تمہارے ہاں وہ سسٹم چل رہا ہے، کہ جس فون پر آخری نمبر ڈائل ہو اس وقت تک جب تک دوسرا نمبر ڈائل نہ ہو پہلا نمبر کمپیوٹر کے پاس محفوظ رہتا ہے"

قاچار نے تیز لہجے میں پوچھا۔ کیونکہ اسے پچھلے دنوں معلوم ہوا تھا کہ سیکرٹ سروس کے چیف

بالائی کے حکم پر وزیر اعظم صاحب نے اس نظام
کی ترویج کے خصوصی احکامات جاری کئے تھے
تاکہ مجرموں کو آسانی سے پکڑا جا سکے۔
"یس سر" باقاعدگی سے جناب" آپریٹر نے جواب
دیا۔ اور قاچار کے چہرے پر خوشی امنڈ آئی۔
"میرے نمبر پر آخری فون کہاں سے کیا گیا ہے
اس نمبر سے جہاں سے میں بول رہا ہوں۔" قاچار
نے اپنی خوشی کو دباتے ہوئے لہجے کو تحکمانہ
بناتے ہوئے کہا۔
وہ جان بوجھ کر اس لہجے میں بات کر رہا
تھا تاکہ آپریٹر مرعوب رہے۔
"جناب نوٹ کر لیجئے۔ تین۔ ایک۔ صفر، تین
دو۔ پانچ۔" آپریٹر نے چند لمحوں بعد نمبر دوہراتے
ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے اب اس جگہ کا پتہ بتاؤ جہاں
یہ فون نصب ہے۔ اٹ از ایمرجنسی" قاچار نے
اور زیادہ غصیلے لہجے میں کہا۔
"یس سر۔ ایک لمحہ ٹھہریئے۔ میں چیک کر لوں
جناب" آپریٹر نے اسی طرح مؤدبانہ لہجے میں جواب



دیتے ہوئے کہا۔ اور قاچار خاموش ہو کر بیٹھ گیا
البتہ اس کی آنکھوں میں مسرت کے چراغ جلنے
لگے تھے۔ وہ ایک اہم ترین راز حاصل کر چکا تھا
ایک ایسا راز جسے آج تک ٹکریں مارنے کے
باوجود سیکرٹ سروس بھی حاصل نہ کر سکی تھی۔
"جناب یہ عظیم کالونی کی کوٹھی نمبر تین سو چار
کا نمبر ہے۔ نام ہے مرزا ارطش بیگ حکمت یار"
آپریٹر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا
"ٹھیک ہے سنو آپریٹر۔ یہ ٹاپ سیکرٹ ہے
کسی کو علم نہ ہو کر میں نے معلومات حاصل کی
ہیں ورنہ تمہیں گولی بھی ماری جا سکتی ہے" قاچار
نے چیختے ہوئے کہا۔
"میں سمجھتا ہوں جناب آپ بے فکر رہیں"
آپریٹر نے تھوک نگلتے ہوئے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ اور
قاچار نے تیزی سے کریڈل دبا کر رابطہ ختم کر دیا۔
"مرزا ارطش بیگ حکمت یار۔ تو یہ ہے کالا
گلاب کا ہیڈ کوارٹر" قاچار چند لمحے بڑبڑاتا رہا۔
پھر اس نے تیزی سے دوبارہ نمبر ڈائل کرنے
شروع کر دیئے۔ اب وہ ایک اور منصوبہ بنا

چکا تھا۔ ایک نیا منصوبہ جس کے آخر میں وہ سیکرٹ سروس کا چیف یقینی طور پر بن جائے گا۔

"ہیلو۔ کون ہے۔" رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ایک سخت آواز سنائی دی۔

"ہامانی صاحب سے بات کراؤ۔ میں قاچار بول رہا ہوں جلدی کرو۔ اِٹ از ایمرجنسی" قاچار نے انتہائی تیز لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ وہ تو سونے چلے گئے ہیں۔ کیا انہیں جگانا ضروری ہے"۔ دوسری طرف سے ہچکچاہٹ بھرے لہجے میں پوچھا گیا۔

"انہیں فوراً جگاؤ۔ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر جلدی کرو۔" قاچار نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔

"بہتر جناب۔ ہولڈ آن کیجئے"۔ دوسری طرف سے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا گیا۔ اور قاچار رسیور کان سے لگائے خاموش بیٹھا رہا۔

"ہیلو قاچار۔ کیا بات ہے"۔ چند لمحوں بعد دوسری طرف سے سیکرٹ سروس کے چیف ہامانی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔ جیسے اسے نیند سے اٹھائے جانے



پر انتہائی غصہ آ رہا ہو۔

"باس! آپ کے لئے ایک اہم خبر ہے۔ میں نے کالا گلاب کے ہیڈکوارٹر کا پتہ چلا لیا ہے۔ آپ فوراً میرے پاس پہنچ جائیں یہاں تھریز کالونی والی کوٹھی میں۔ ایک دستہ بھی ہمراہ لے لیں۔ ہم فوری طور پر اس ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مار کر اصلی پاکیشیائی جاسوسوں کو بھی زندہ چھڑوا لیں گے۔ کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر بھی تباہ ہو جائے گا۔ اور مسلم اصفہانی بھی پکڑا جائے گا۔ اس طرح ہم وزیر اعظم کے سامنے سُرخرو ہو جائیں گے"۔ قاچار نے تیز تیز لہجے میں کہا۔

"کیا تم نشے میں ہو۔ وہاں بیٹھے بیٹھے تم نے کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر بھی معلوم کر لیا۔ پاگل ہو گئے ہو۔ میرے حکم کی تعمیل کی تم نے۔ ان نقلی جاسوسوں کو گولی ماری تم نے"۔ سیکرٹ سروس کے چیف نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔ اسے شاید قاچار کی بات پر یقین نہ آیا تھا۔

"اوہ جناب میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے ایک خاص ترکیب سے ہیڈ کوارٹر تلاش کر لیا

ہے۔ آپ یقین کریں جناب" قاچار نے ہامانی کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بتاؤ کیا پتہ ہے" ہامانی نے پوچھا۔

"جناب فون پر بتانا ٹھیک نہیں ہے۔ آپ دستہ لے کر یہاں آ جائیں" میں زبانی بتاؤں گا" قاچار نے جواب دیا۔

"ہونہہ! دیکھو قاچار تم نے مجھے نیند سے بیدار کیا ہے۔ میں چاہوں تو تمہیں سزا دے سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ تم نے پہلے ایک اچھا کام کیا ہے۔ اس لئے میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ تم فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو اور وزیر اعظم کو صبح ان کی لاشیں بھجوا دو۔ باقی کام میں ٹھیک کر لوں گا گڈ بائی"

دوسری طرف سے ہامانی نے انتہائی سخت لہجے میں کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی رابطہ بھی ختم ہو گیا

قاچار نے ہونٹ بھینچتے ہوئے رسیور رکھ دیا۔ ہامانی اس کے جال میں نہ آیا تھا۔ اس نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ ہامانی کے ساتھ کالا گلاب



کے ہیڈ کوارٹر پر چڑھ دوڑے گا۔ اور پھر جب مسلم اصفہانی پکڑا جائے گا اور پاکیشیائی جاسوس بھی زندہ یا مردہ مل جائیں گے تو وہ ہامانی کو گولی مار دے گا۔ اور یہ کہے گا کہ حملے کے دوران گولی لگنے سے وہ مر گیا ہے۔ اس طرح وہ سیکرٹ سروس کا چیف یقیناً بن جائے گا۔ اور وزیر اعظم بھی خوش ہو جائیں گے۔ لیکن اب ہامانی نے نہ آ کر سارا منصوبہ فیل کر دیا تھا۔ وہ چند لمحے بیکار سوچتا رہا۔

پھر اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے دوبارہ رسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے شروع کر دیئے۔ وہ اس بار وزیر اعظم ہاؤس کے خاص نمبر ڈائل کر رہا تھا

چند لمحوں بعد ہی دوسری طرف سے ایک سخت سی آواز سنائی دی

"وزیر اعظم ہاؤس۔ کون صاحب ہیں" بولنے والے کا لہجہ بے حد تحکمانہ تھا۔

"میں قاچار بول رہا ہوں۔ سیکنڈ چیف آف سیکرٹ سروس۔ تبریز کالونی کی کوٹھی نمبر ایک سو بارہ سے۔ میں وزیر اعظم سے فوری طور پر بات

کرنا چاہتا ہوں۔" قاچار نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"کیا آپ صبح بات نہیں کر سکتے۔ اس وقت وزیر اعظم صاحب آرام فرما رہے ہیں۔" دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا۔

"نہیں نہیں۔ بہت زبردست ایمرجنسی ہے، فوری بات کی ضرورت ہے۔" قاچار نے تیز لہجے میں کہا

"تو پھر سیکرٹ سروس کے چیف ہامانی سے بات کر لیجئے۔ اگر وہ مناسب سمجھیں تو وزیر اعظم سے بات کر لیں گے۔" دوسری طرف سے پھر سخت لہجے میں کہا گیا۔

"ان کی بات چھوڑیئے۔ آپ فوراً بات کرایئے میں کہہ رہا ہوں وقت بیحد نازک ہے اور آپ خواہ مخواہ کی باتیں بنا رہے ہیں۔" اس بار قاچار غصے سے پھٹ پڑا۔ اسے دوسری طرف سے بولنے والے پر بیحد غصہ آ رہا تھا۔

"اچھا جناب ناراض نہ ہوں۔ یہ سیکیورٹی انتظامات ہیں۔ آپ ایسا کریں۔ اپنا فون بند کریں ہم خود فون کرتے ہیں۔" اس بار دوسری طرف سے بولنے والے کا لہجہ قدرے نرم تھا۔ شاید وہ قاچار کے



اچانک غصہ دکھانے پر نرم پڑ گیا تھا اور قاچار نے تیزی سے رسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

چند لمحوں بعد ہی گھنٹی بجی تو قاچار نے جھپٹ کر رسیور اٹھا لیا۔

"کون بول رہا ہے؟" دوسری طرف سے وہی آواز سنائی دی۔

"قاچار بول رہا ہوں۔" قاچار نے دانت پیستے ہوئے جواب دیا۔

"اوکے۔ ہولڈ کیجئے۔ ہم وزیر اعظم صاحب کو جگاتے ہیں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور قاچار خاموش بیٹھا رہا۔ وہ دل ہی دل میں وہ باتیں سوچ رہا تھا۔ جو اس نے وزیر اعظم صاحب کو بتانی تھیں۔

"ہیلو قاچار۔ کیا بات ہے۔ میں وزیر اعظم بول رہا ہوں۔" چند لمحوں بعد ہی وزیر اعظم صاحب کی آواز سنائی دی۔ ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ اس سے کسی قسم کا کوئی تاثر ظاہر نہ ہو رہا تھا۔

"بے وقت جگانے اور تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں جناب۔" قاچار نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

"رسمی باتوں میں وقت مت ضائع کرو۔ بتاؤ کیا بات ہے" وزیر اعظم صاحب نے اسی طرح سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"جناب چیف آف سیکرٹ سروس ہامانی نے غداری کی ہے۔ جناب پاکیشیائی جاسوس کالا گلاب کے قبضے میں چلے گئے ہیں" قاچار نے اٹکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ کیا تم ہوش میں ہو" وزیر اعظم صاحب غصے سے چیخ پڑے۔

"جناب! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔" قاچار نے فوراً ہی جواب دیا۔

"تفصیل بتاؤ مگر بالکل سچ سچ" وزیر اعظم صاحب نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"جناب آدھا گھنٹہ پہلے ہامانی صاحب نے مجھے فون کیا کہ انہوں نے مسلم اصفہانی کے ساتھ ایک چال چلنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انہوں نے مسلم اصفہانی سے کسی طرح فون پر رابطہ قائم کر لیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں پاکیشیائی جاسوسوں کو بے ہوش کر کے اور کار میں ڈال کر انصاف چوک پہنچ جاؤں



جہاں مسلم اصفہانی یعنی کالا گلاب کے آدمی انہیں لے جائیں گے اور مجھے ایک ہزار ریال دے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایک خفیہ دستہ لے کر اس چوک کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوں گے جب میں پاکیشیائی جاسوسوں کو ان کے حوالے کروں گا تو وہ مسلم اصفہانی کے آدمیوں کا پیچھا کریں گے اور اس طرح اس کا ہیڈ کوارٹر نظروں میں آ جائے گا اور پھر وہ حملہ کر کے پاکیشیائی جاسوسوں کو ان کے قبضہ سے چھڑا لیں گے۔ اور ہیڈ کوارٹر کو تباہ کر دیں گے اور اس طرح کالا گلاب تنظیم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

تو جناب چونکہ یہ تجویز بظاہر درست تھی اور پھر چیف صاحب کا حکم تھا۔ اس لئے میں نے حکم کی تعمیل کی۔

انصاف چوک پر پاکیشیائی جاسوس چند نقاب پوشوں نے مجھ سے حاصل کر لئے اور ایک ہزار ریال کی تھیلی مجھے پکڑا دی۔ میں مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔ لیکن ابھی چند لمحے پیشتر ہامانی صاحب ان پاکیشیائی جاسوسوں کو واپس لے آئے ہیں جناب

اور وہ بے ہوش ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ
وہ پاکیشیائی جاسوسوں کو چھڑا کر لے آئے ہیں جبکہ
مسلم اصفہانی اور اس کے آدمی فرار ہو گئے ہیں
اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا ہے کہ انہیں گولی
مار دوں اور صبح وزیر اعظم صاحب کے پاس
ان کی لاشیں بھجوا دوں۔ باقی کام وہ خود کر لیں
گے یہ کہہ کر وہ چلے گئے ہیں۔ اس پر جناب
مجھے شک گزرا تو میں نے غور سے ان پاکیشیائی
جاسوسوں کو چیک کیا تو مجھے پتہ چلا ہے کہ یہ
پاکیشیائی جاسوس نقلی ہیں۔ بامانی صاحب نے غداری
کی ہے۔ وہ مسلم اصفہانی سے ملے ہوئے ہیں
انہوں نے چکر چلا کر اصلی۔ پاکیشیائی جاسوس مسلم
اصفہانی کے حوالے کر دیئے ہیں تاکہ وہ انہیں ہلاک
کرنے اور اس کے بدلے خانہ پری کے لئے
اس نے نقلی جاسوس یہاں بھجوا دیئے ہیں تاکہ میں
ان کی لاشیں یہاں بھجوا دوں اور آپ مطمئن
ہو جائیں" تاجار نے تشدد و تیز لہجے میں پوری
تفصیل بتا دی لیکن وہ اپنے آپ کو صاف
بچا گیا اور اس نے سارا زور بامانی پر ڈال دیا



"اوہ۔ یہ بہت برا ہوا۔ مسلم اصفہانی تو ان
لڑکوں کو فوراً مار ڈالے گا۔ یہ بہت برا ہوا"
وزیر اعظم صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا
"جناب۔ میں نے بامانی صاحب سے باتوں ہی
باتوں میں یہ پوچھ لیا کہ مسلم اصفہانی نے ان
سے کس نمبر پر بات کی تھی اور پھر میں نے
جناب، ایکسچینج سے بات کر کے وہ نمبر اور
پتہ حاصل کر لیا۔ جس سے آخری بار بامانی صاحب
سے بات کی گئی تھی۔ یہ پتہ یقیناً جناب کالا
گلاب کے ہیڈ کوارٹر کا ہے۔ اگر ہم فوری طور
پر وہاں حملہ کر دیں تو ہو سکتا ہے ہم ان
پاکیشیائی جاسوسوں کو زندہ بچا لینے میں کامیاب
ہو جائیں۔ اور ہم کالا گلاب تنظیم کو بھی تباہ
کر سکیں۔

"مگر جناب سیکرٹ سروس کا دستہ لینے کیلئے
بامانی صاحب کا براہ راست حکم ضروری ہے اور
بامانی صاحب کو پتہ چل گیا تو وہ مجرم کو ہوشیار
کر دیں گے۔ اور اس طرح مجرم ان پاکیشیائی
جاسوسوں سمیت غائب ہو جائیں گے۔" تاجار نے

مزہ بات کرتے ہوئے کہا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کہانی الٹ دی تھی۔

"بہت خوب قاچار بہت خوب۔ اگر واقعی ایشیائی جاسوس واپس مل گئے اور کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر تباہ ہو گیا۔ تو تمہیں نہ صرف ملک کا سب سے بڑا بہادری کا انعام دیا جائے گا بلکہ تمہیں ہامانی کی جگہ سیکرٹ سروس کا چیف بھی بنا دیا جائے گا۔ تم صحیح معنوں میں ذہین، بہادر اور محب الوطن آدمی ہو" وزیر اعظم صاحب نے بڑے پرجوش لہجے میں کہا۔

"آپ کی مہربانی ہے جناب۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے جناب" قاچار نے دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔ اس کا داؤ بالکل ٹھیک پڑا تھا۔

"سنو۔ میں اپنا خاص محافظ دستہ بھیج رہا ہوں۔ تم ان کی سربراہی کرو گے۔ نقلی جاسوسوں کو میرے آدمی لے آئیں گے۔ ہم انہیں یہاں قید رکھیں گے جب اصلی مل جائیں گے پھر ان کے متعلق فیصلہ ہو گا۔ تم میرے محافظ دستے سمیت جا کر کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دو اور پورا ہیڈ کوارٹر تباہ کر دو۔ مسلم اصفہانی کو زندہ یا مردہ گرفتار کر لو۔ میں اس دوران فوری طور پر ہامانی کی گرفتاری کے احکام جاری کرتا ہوں۔ تاکہ وہ مجرموں کی امداد نہ کر سکے۔" وزیر اعظم صاحب نے کہا۔

"جناب ہو سکتا ہے ہامانی گرفتاری کے بعد اپنے آپ کو بچانے کے لئے کوئی نئی کہانی سنا دے مگر جو حقیقت تھی جناب وہ میں نے آپ کو بتا دی۔ اس کا ثبوت وہی نقلی پاکیشیائی جاسوس ہیں جناب" قاچار نے کہا۔

"میں سب سمجھتا ہوں۔ تم فکر مت کرو اور اپنی پوری کوشش ان پاکیشیائی جاسوسوں کو بچانے پر صرف کر دو۔ یہ ہماری بہت بڑی کامیابی ہو گی۔ میں محافظ دستہ بھیج رہا ہوں۔ وہ ہر قسم کے ہتھیاروں سے لیس ہے اور ہر قسم کے حالات سے نمٹنا جانتا ہے"

وزیر اعظم نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی رسیور رکھ دیا گیا۔

قاچار نے بھی جلدی سے ریسیور رکھا اور اس کے حلق سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ اس نے ایک بہت بڑی جنگ جیت لی تھی۔ اب سیکرٹ سروس کے چیف کا عہدہ اس کے قدموں میں تھا۔ پچاس لاکھ ریال بھی اس نے کما لیے تھے۔ اور ملک کا سب سے بڑا بہادری کا اعزاز بھی اس کی راہ تک رہا تھا۔

"زندہ باد قاچار زندہ باد۔ تمہاری ذہانت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔" قاچار نے اپنے بازو پر خود ہی تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر اُٹھ کر کوٹھی کے گیٹ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ تاکہ محافظ دستے کا استقبال کر سکے۔



فیصل شہزاد اور ڈریکولا کی بڑی حالت تھی۔ وہ تینوں اوپر اٹھ کر انتہائی تیزی سے نیچے گرتے اور پھر اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتے وہ ایک بار پھر اوپر کو اُٹھ جاتے۔

فیصل اور شہزاد دونوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ہڈیاں تیزی سے ٹوٹتی چلی جا رہی ہوں۔

اب تو ان دونوں کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکلنے لگی تھیں۔ البتہ ڈریکولا خاموش تھا۔ ادھر کمرے میں مسلم اصفہانی کے پہلے کی طرح قہقہے گونج رہے تھے۔ کامیابی اور فتح کے قہقہے

ڈریکولا ایک بار جیسے ہی چھت کی طرف اونچا ہوا اس نے پوری قوت سے جمپ لگایا اور دوسرے

لمحے اس نے چھت سے لٹکے ہوئے فانوس ا
پکڑ لیا اس فانوس میں چار بلب جل رہے تھے
ڈریکولا نے پلک جھپکنے میں ایک بلب ہولڈر سے
علیحدہ کیا اور پھر اس نے جیب سے ایک سکہ
نکالا اور اسے ہولڈر میں رکھ کر اس نے اوپر
سے بلب کس دیا۔

جیسے ہی اس نے سکے کے ساتھ بلب کو
گھمایا، چٹ کی تیز آواز سے فیوز اڑتا چلا گیا اور
نہ صرف اس تہہ خانے میں اندھیرا چھا گیا بلکہ اس
کمرے میں بھی گھپ اندھیرا چھا گیا۔ جس میں مسٹر
اصفہانی اور اس کے ساتھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس
کے ساتھ ہی فرش کا اوپر نیچے ہونا بھی بند ہو
گیا۔

شہزاد اور فیصل دونوں فرش پر پڑے ہانپ
رہے تھے۔ ان کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔ اسی
لمحے ڈریکولا کے کودنے کی آواز سنائی دی۔

"آقا ہوشیار ہو جائیں۔ میں نے فیوز اڑا دیا
ہے۔ اب جب تک اس ہولڈر سے سکہ نہیں
نکالا جائے گا فیوز نہیں جوڑا جا سکتا۔ اور وہ اس



تہہ خانے میں آنے پر مجبور ہوں گے۔ آپ ہوشیار
ہو جائیں۔ وہ لوگ شاید پہلے کسی گیس سے ہمیں
بیہوش کریں۔ پھر اندر آئیں۔ میری آنکھیں اندھیرے
میں دیکھ لیتی ہیں۔ آپ دونوں میرے نزدیک ہو
جائیں۔ میں آپ دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑ لوں
گا۔ جب وقت مجھے گیس محسوس ہوئی یا میں نے کسی
کو اندر آتے دیکھا میں آپ دونوں کا ہاتھ دبا
دوں گا۔ آپ فوراً سانس روک لیں۔" ڈریکولا نے
سرگوشیوں میں ان دونوں کو ہدایات دیتے ہوئے
کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شہزاد اور فیصل دونوں
نے ہانپتے ہوئے کہا۔ وہ جلد از جلد اپنے سانسوں
پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور پھر وہ
آہستہ آہستہ نارمل ہوتے چلے گئے۔

اسی لمحے انہیں جنوبی دیوار کی طرف کھٹکا سا
سنائی دیا۔ اور ڈریکولا نے ان دونوں کے ہاتھ
دبا دیئے۔

"سانس روک لو آقا۔ گیس پھینکی جا رہی ہے۔"
ساتھ ہی ڈریکولا نے دبے لہجے میں کہا اور ان

دونوں نے سانس روک لیے۔ ظاہر ہے موت ان
سر پر کھڑی نظر آ رہی تھی اور اب یہ بچنے
آخری صورت تھی۔ اب اگر وہ نہ بچ سکے تو
ان کی موت یقینی تھی اس لیے انہوں نے سانس
روک لیے اور پھر پوری کوشش کرکے انہوں
روکے رکھا۔ لیکن جلد ہی ان کے سینے پھٹنے ک
قریب ہو گئے۔ اور انہیں احساس ہوا کہ اگر
ہی انہوں نے سانس نہ لیے تو وہ ویسے ہی د
گھٹ کر مر جائیں گے

اور پھر پوری کوشش کے باوجود آخر کار و
سانس لینے پر مجبور ہو گئے۔ اور چونکہ انہوں نے
کافی دیر سے سانس روک رکھے تھے۔ اس لئے سا
لیا بھی تو پیٹ بھر کر۔ اور نتیجہ یہ کہ دوسرے
ان کے ذہنوں پر تاریکیاں سی چھاتی چلی گئیں ا
ڈریکولا کے ہاتھوں میں ڈبے ہوئے ان کے ہا
یکلخت ڈھیلے پڑ گئے۔ اور ڈریکولا سمجھ گیا کہ وہ بے
ہو چکے ہیں۔

ڈریکولا خود سانس روکے ہوئے پڑا تھا۔ اس ا
آنکھوں کی بناوٹ ایسی تھی کہ اسے اندھیرے میں



میں بھی بلی کی طرح صاف دکھائی دیتا تھا۔ اس لئے
اس نے کمرے کی جنوبی دیوار میں سے گیس کے
بھبکے اندر آتے دیکھ لیے اور چند لمحوں بعد گیس
کے بھبکے غائب ہو گئے۔

اور پھر آہستہ آہستہ اس کی حساس ناک نے
بتا دیا کہ گیس غائب ہو چکی ہے۔ اس نے آہستہ
آہستہ سانس لینا شروع کر دیا۔ اور جب اس نے
محسوس کیا کہ گیس کا کوئی اثر اس کے دماغ پر نہیں
ہوا۔ تو اس نے قدرے سانس لیا اور اسے یوں محسوس
ہوا جیسے اس کے جسم میں طاقت اور توانائی کی
لہریں سی دوڑتی چلی گئی ہوں۔

اسی لمحے اسے دیوار درمیان سے پھٹتی نظر آئی۔
اور پھر چار مسلح افراد ہاتھوں میں سٹین گنیں اٹھائے
اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ہاتھوں میں ایک بڑی
سی سیڑھی پکڑی ہوئی تھی۔ ان چاروں نے اندر
آتے ہی سیڑھی ایک طرف دیوار سے ٹکائی اور
پھر انہوں نے اپنی سٹین گنوں کا رخ ادھر کر دیا،
جدھر ڈریکولا اور فیصل شہزاد بیہوش پڑے ہوئے
تھے۔ ان میں سب سے آگے والے نے ہاتھ میں

پکڑی ہوئی ایک طاقت ور ٹارچ جلائی اور اسی لمحے
ڈریکولا نے نہ صرف آنکھیں آدھی بند کر لیں بلکہ
سانس بھی روک لیا۔

ٹارچ کی تیز روشنی ان تینوں پر پڑی اور پھر
ان میں سے تین آدمی تیزی سے ان کی طرف بڑھتے
چلے آئے۔

وہ سٹین گنیں سنبھالے پوری طرح ہوشیار تھے۔
ان کی طرف پہلے فیصل پڑا ہوا تھا۔ پھر ڈریکولا
اور شہزاد۔ انہوں نے فیصل کو چیک کیا وہ تو ویسے
ہی بیہوش پڑا تھا۔ پھر انہوں نے ڈریکولا کے سینے
پر ہاتھ رکھا۔ ڈریکولا نے سانس روک رکھا تھا۔ اس
طرف سے بھی مطمئن ہو کر انہوں نے شہزاد کو
چیک کیا۔ وہ بھی بیہوش پڑا ہوا تھا۔

"یہ تینوں بیہوش ہیں قطعی بے ہوش۔ سیڑھی لے
آؤ" ٹارچ والے نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا
اور پھر ٹارچ کی روشنی اس نے اوپر فانوس کی
طرف ڈالی۔

چوتھا آدمی جو سیڑھی کے بالکل قریب کھڑا تھا
سیڑھی اٹھائے ان کی طرف بھاگتا چلا آیا۔ وہ تینوں



اب فیصل شہزاد اور ڈریکولا کی طرف سے پوری طرح
مطمئن تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک بار بھی مڑ کر
نہ دیکھا اور وہ سیڑھی چھت سے لگانے میں لگے
رہے۔ آنے والے نے کاندھے سے لٹکی ہوئی گن
اتار کر فیصل کے ساتھ فرش پر رکھی اور پھر سیڑھی
کو چھت سے لگانے میں مصروف ہو گیا۔ باقی
دو نے بھی اس کے ساتھ سیڑھی کو پکڑ رکھا تھا۔
جبکہ چوتھا ٹارچ والا آدمی ٹارچ کو فانوس کی طرف
روشن کئے چھت کی طرف منہ اٹھائے کھڑا تھا۔

ڈریکولا نے موقع غنیمت سمجھا اور اس نے
آہستہ سے فیصل کے اوپر سے ہاتھ بڑھا کر بڑی
احتیاط سے فرش پر پڑی ہوئی سٹین گن اٹھائی۔
اس نے اتنی احتیاط کی تھی کہ ذرا سا بھی کھٹکا نہ
ہونے دیا تھا۔

جب سٹین گن پر اس کا پوری طرح قابو ہو
گیا تو اس نے اوپر دیکھ کر یہ اندازہ لگایا کہ اگر
وہ اچانک فائرنگ کر دے تو کہیں سیڑھی فیصل
شہزاد پر تو نہ گرے گی۔ کیونکہ اس طرح وہ بھاری
سیڑھی کے نیچے کچلے جا سکتے تھے۔ جب اسے پوری

طرح اندازہ ہو گیا کہ سیڑھی اسی انداز میں رکھی گئی
ہے کہ اس کے گرنے کے باوجود وہ ان پر نہ
گرے گی تو ڈریکولا اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن
نیچے چونکہ اندھیرا تھا اور وہ تیز روشنی کا رخ اوپر
کئے سیڑھی کو فانوس کے ساتھ سیٹ کرنے میں
مصروف تھے۔ اس لئے ڈریکولا کے اٹھنے کا کسی کو
بھی پتہ نہ چلا۔

ڈریکولا قدموں پر بڑی آہستگی سے اُٹھ کھڑا ہوا
اور پھر اس نے مشین گن کے ٹریگر پر انگلی رکھی۔
اور دوسرے لمحے اس نے سانس روک کر نہ صرف
ٹریگر دبا دیا بلکہ اس نے مشین گن کو بھی نیم دائرے
میں گھما دیا۔ گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے ساتھ ہی
کمرے میں چار انسانی چیخیں بلند ہوئیں۔ اور وہ
چاروں گولیوں کی بارش میں ناچتے ہوئے فرش
پر جا گرے۔ سیڑھی نہ گری کیونکہ وہ فانوس کے
ساتھ پوری طرح اٹک گئی تھی۔ البتہ ٹارچ نیچے
گر گئی اور اس سے روشنی کی لکیر سی ایک طرف
دیوار پر پڑنے لگی۔

ڈریکولا ان چاروں کے نیچے گرتے ہی تیزی



سے ٹارچ کی طرف لپکا اور پھر اس نے ٹارچ کو
بند کر دیا۔ ٹارچ میں تسمہ لگا ہوا تھا۔

اس نے ٹارچ کو اس کے تسمے کی مدد سے
گلے سے لٹکا لیا۔ اور پھر وہ فیصل اور شہزاد
کی طرف لپکا۔ اب مسئلہ تھا ان دونوں کی
بیہوشی کا۔ اسے معلوم تھا کہ فائرنگ کی آوازیں
باہر گئی ہوں گی۔ یا پھر شیشے کی دیوار کے پیچھے
سے ان کو دیکھا جا رہا ہو گا۔ اس لئے ابھی
بہت سے مسلح افراد فائرنگ کرتے ہوئے اندر
گھس آئیں گے اور پھر اس کمرے میں رہ کر
ان کی فائرنگ سے بچنا بہت مشکل تھا۔

ادھر ان دونوں کو بھی فوری طور پر ہوش میں
نہیں لایا جا سکتا تھا۔ اس لئے ڈریکولا نے مشین
گن کو کندھے سے لٹکایا۔ اور پھر اس نے جھک
کر پہلے شہزاد کو اٹھا کر ایک کندھے پر ڈالا
اور فیصل کو ایک ہاتھ سے اٹھا کر اس نے ایک
جھٹکا دے کر دوسرے کندھے پر ڈالا اور دیوار
میں موجود اس راستے کی طرف اس نے دوڑ
لگا دی۔ جہاں سے وہ چاروں مسلح افراد اندر

داخل ہوئے تھے۔ مگر جیسے ہی وہ رخنے کے قریب پہنچا اسے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر رخنے میں سے تڑتڑاہٹ کی زوردار آوازیں ڈریکولا کی طرف لپکیں۔ ڈریکولا جو فیصل اور شہزاد کو اٹھائے ہوئے تھا۔



قاچار جیسے ہی کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا۔ اچانک ایک درخت کی آڑ سے ایک سایہ نکل کر تیزی سے اس کی طرف لپکا۔ قاچار تیزی سے پیچھے ہٹا اس نے پھرتی سے ریوالور جیب سے نکال لیا۔ مگر آنے والا سیکرٹ سروس کا ہی ایک رکن تھا۔ جو باہر پہرے پر موجود تھا۔

"باس کیا بات ہے آپ اس وقت باہر کیسے آئے۔" آنے والے نے مؤدبانہ لہجے میں پوچھا

"دیکھو۔ ابھی وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ یہاں آئے گا۔ ان کو یہیں گیٹ پر ٹھہراؤ اور مجھے فوراً اطلاع کرو۔" قاچار نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ مگر اس وقت"۔ آنے والے نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"جو کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔" قاچار نے کہا اور تیزی سے واپس مڑتا چلا گیا۔

"جناب ایک منٹ۔ کیا آپ اس وقت حفاظتی دستے کے ساتھ کہیں چھاپہ مارنے جائیں گے۔ کوئی خاص مشن درپیش ہے؟" آنے والے نے قاچار کو روکتے ہوئے کہا۔

"شٹ اپ۔ تم اپنے کام سے مطلب رکھو" قاچار نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ اور پھر تیزی سے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔

آنے والا نوجوان چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر تیزی سے واپس اسی درخت کے پیچھے چلا گیا جس کی آڑ سے وہ نکلا تھا۔

درخت کے پیچھے جاتے ہی وہ چند لمحوں تک خاموش کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ ڈبے کے نچلے حصے میں لگے ہوئے بٹن کو دباتے ہی ڈبے میں سے ہلکی ہلکی سائیں سائیں کی سی آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ بار بار بٹن کو دباتا چلا



گیا اور پھر اچانک ڈبے میں سے نکلنے والی آواز بدل گئی۔ اب اس میں سے سیٹی کی سی آواز نکلنے لگی مگر آواز اسی طرح مدھم تھی۔

"ہیلو ہیلو۔ فنجانی بول رہا ہوں اوور" سیٹی کی آواز نکلتے ہی اس آدمی نے دبے دبے لہجے میں کہنا شروع کر دیا۔

"ہاں بولو۔ کیا بات ہے۔ میں ہامانی ہوں اوور" دوسری طرف سے سیکرٹ سروس کے چیف ہامانی کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ شاید گہری نیند سو رہا تھا کہ ٹرانسمیٹر کی گونج نے اسے اٹھا دیا تھا۔

"باس قاچار کوئی چکر چلا رہا ہے۔ ابھی ابھی وہ کوٹھی کے گیٹ پر آیا۔ وہ سخت بے چین سا محسوس ہو رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر پوچھا تو کہنے لگا کہ وزیر اعظم صاحب کا حفاظتی دستہ یہاں پہنچنے والا ہے۔ جیسے ہی وہ آئے مجھے اطلاع کر دینا۔" فنجانی نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

"وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ اور قاچار کے پاس۔ اوہ اس شیطان آدمی نے ضرور کوئی چکر چلایا ہو گا۔

دراصل غلطی ہو گئی کہ میں پہلے اس کے چکر میں آ
گیا تھا۔ اب مجھے اس سے اچھی طرح نمٹنا ہو گا۔
مگر وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ آخر وہاں کیوں آ رہا
ہے۔ اوور“ ہامانی کے لہجے سے ایسے محسوس ہو
رہا تھا۔ جیسے وزیر اعظم کے حفاظتی دستے کا سنتے ہی
اس کی آنکھوں سے نیند بالکل اڑ گئی ہو۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں باس۔ میں نے پوچھنے کی
کوشش کی تھی۔ لیکن قاچار نے مجھے ڈانٹ دیا اوور“
فنجانی نے جواب دیا۔

”کیا قاچار نے ان نقلی پاکیشیائی جاسوسوں کو گولی مار
دی ہے۔ اوور“ ہامانی نے پوچھا۔

”نہیں جناب میں نے کوٹھی میں گولیوں کی آواز
نہیں سنی اوور“ فنجانی نے جواب دیا۔

”او کے۔ اب میری بات غور سے سن لو جیسے
ہی وزیر اعظم کا حفاظتی دستہ وہاں پہنچے اور قاچار
اگر کہیں اس کے ساتھ جائے تو تمہارا ایک
ساتھی ان کی نگرانی کرے گا۔ اور مجھے اطلاع
دے گا کہ وہ کہاں جاتے ہیں۔ اور تم نے اندر
گھس کر ان نقلی پاکیشیائی جاسوسوں کو اغوا کر کے



میرے پاس پہنچا دینا ہے۔ وہ بیہوش پڑے ہوں
گے۔ اس لئے تمہیں بالکل تکلیف نہیں ہو گی۔
اوور“ ہامانی نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا

”اور اگر قاچار کہیں نہ جائے تو؟ اوور“
فنجانی نے پوچھا۔

”تو تم نے صرف نگرانی کرنی ہے“ ہامانی نے
کہا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔
فنجانی نے ڈبے کا بٹن دبا کر اسے دوبارہ
جیب میں ڈال لیا۔

اسی لمحے دور سے جیپوں کے آنے کی آواز
سنائی دی تو فنجانی ہوشیار ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد
چار جیپیں جن میں سے ہر ایک کے آگے وزیر اعظم
کا خصوصی جھنڈا لہرا رہا تھا، کوٹھی کے گیٹ پر آ کر
رکیں۔ اور پھر جیپوں میں سے لمبے تڑنگے اور مضبوط
جسموں والے نوجوان تیزی سے باہر کود پڑے۔
ان سب کے ہاتھوں میں مشین گنیں تھیں اسی
لمحے فنجانی بھی درخت کی آڑ سے نکل کر تیزی
سے ان کی طرف بڑھا۔

”خبردار۔ رک جاؤ۔ ورنہ گولی مار دیں گے“ فنجانی

کو دیکھتے ہی جوانوں نے پھرتی سے مشین گنوں کا
رُخ اس کی طرف کرتے ہوئے کہا۔
اور قنجانی نہ صرف رُک گیا بلکہ اس نے ہاتھ
بھی سر سے اوپر اٹھا دیئے۔
"کون ہو تم" ایک داڑھی والا نوجوان جو دور سے
کا انچارج دکھائی دیتا تھا قنجانی کی طرف آتے
ہوئے بولا۔
"میرا نام قنجانی ہے اور میں سیکرٹ سروس کا آدمی
ہوں جناب قاچار نے مجھے ہدایت کی تھی کہ جب
آپ یہاں آئیں تو میں انہیں اطلاع کروں۔ قنجانی
نے بڑے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔
"کیا بات ہے قنجانی" اچانک پھاٹک کی طرف
سے قاچار کی آواز سنائی دی۔ اور آدھے نوجوانوں نے
اپنی مشین گنوں کا رُخ تیزی سے اس کی طرف
موڑ دیا۔
"جناب۔ یہ وزیر اعظم صاحب کے خصوصی دستے
کے نوجوان ہیں۔ قنجانی نے دور سے کہا۔
"اوہ۔ آپ لوگ آ گئے۔ میرا نام قاچار ہے
یہ میرا آدمی ہے سیکرٹ سروس کا آدمی"۔ قاچار



نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے قدرے تحکمانہ
لہجے میں اس داڑھی والے سے مخاطب ہو کر کہا
جو اب قنجانی کی بجائے اس کی طرف بڑھا چلا
آ رہا تھا۔
"آپ اپنا شناختی کارڈ دکھائیں۔ ہمیں پوری
طرح محتاط رہنے کا حکم دیا گیا ہے" داڑھی
والے نے قریب پہنچ کر سخت لہجے میں کہا۔
اور قاچار نے مسکراتے ہوئے جیب سے
شناختی کارڈ نکال کر اس داڑھی والے کے
ہاتھ میں تھما دیا۔ اس نے گیٹ کے اوپر
جلنے والے بلبوں کی روشنی میں کارڈ کو دیکھا اور
پھر مسکراتے ہوئے اسے قاچار کو واپس کر
دیا۔
"ٹھیک ہے اب ہم مطمئن ہیں۔ فرمایئے
کہاں چھاپہ مارنا ہے" داڑھی والے نے مسکراتے
ہوئے پوچھا۔
"سنو۔ تم بھی اچھی طرح سمجھ لو اور اپنے
ساتھیوں کو بھی سمجھا دو۔ ہم نے کالا گلاب کے

ہیڈ کوارٹر پر چھاپہ مارنا ہے" قاچار نے کہا۔
"کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر۔ داڑھی والے نے بُری طرح اُچھلتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ کیا تم ڈر گئے" قاچار نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"سنو قاچار، میرا نام تبریزی ہے اور مجھے ڈر خوف جیسے لفظوں سے سخت نفرت ہے۔ آئندہ میرے سامنے یہ لفظ کبھی استعمال نہ کرنا۔ ورنہ میں یہ لفظ کہنے والے کو بزدلی کے جرم میں فوراً گولی مار دیا کرتا ہوں۔ سمجھے۔ داڑھی والے نے غصے سے بھڑکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ معافی چاہتا ہوں۔ آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو گئے۔ میں نے تو اس لئے پوچھا تھا کہ آپ کالا گلاب کا نام سنتے ہی اچھل پڑے تھے۔" قاچار نے فوراً ہی نرم لہجے میں کہا۔ کیونکہ وہ وزیر اعظم کے خصوصی دستے کے انچارج کے اختیارات کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"میں تو اس لئے چونکا تھا کہ اگر تم کالا گلاب جیسی ملک دشمن تنظیم کا ہیڈ کوارٹر جانتے



ہو تو پھر اب تک خاموش کیوں کھڑے ہو" تبریزی نے سخت لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں تبھی تو آپ کو یہاں بلوایا ہے میرا مقصد یہ تھا کہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہم کس قدر خطرناک مشن پر جا رہے ہیں دوسری بات یہ کہ میں نے تو صرف نشاندہی کرنی ہے حملہ آپ نے کرنا ہے" قاچار نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا۔

"مگر ہمیں جانا کہاں پڑے گا" تبریزی نے کہا۔

"عظیم کالونی۔ کوٹھی نمبر تین سو چار" قاچار نے فوراً ہی جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اچھا وہ تین آدمی کہاں ہیں۔ جنہیں وزیر اعظم ہاؤس لے جانا ہے" تبریزی نے کہا۔

"وہ اندر پڑے ہیں" قاچار نے جواب دیا۔

تبریزی کی ایک ہی ڈانٹ نے اس کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔ اب وہ جلدی جلدی اور سیدھے سیدھے جواب دے رہا تھا۔

"تم چار آدمی قاچار کے ساتھ جاؤ اور ان تین آدمیوں کو اٹھا کر لے آؤ جن کے متعلق قاچار بتائے اور پھر تم انہیں لے کر فوراً وزیر اعظم ہاؤس چلے جاؤ۔ شاباش جلدی کرو۔" تبریزی نے چار نوجوانوں کے ایک گروپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

اور وہ چاروں تیزی سے قاچار کی طرف بڑھے۔ قاچار انہیں ساتھ لے کر کوٹھی کی طرف مڑ گیا۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نانو، فیصل شہزاد اور ڈریکولا کو اٹھائے باہر آ گئے انہوں نے انہیں کاندھے پر ڈالا ہوا تھا۔

"ان کو وزیر اعظم ہاؤس پہنچا کر تم فوراً علیم کالونی کی کوٹھی نمبر تین سو چار میں پہنچ جاؤ۔ ہم وہیں جا رہے ہیں۔" تبریزی نے کہا۔

اور وہ تینوں تیزی سے آخری جیپ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

جب وہ جیپ مڑ کر واپس چلی گئی تو تبریزی نے باقی لوگوں کو جیپ میں سوار ہونے کا حکم دیا اور پھر خود پہلی جیپ کی طرف بڑھنے لگا قاچار بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

"آپ کہاں آ رہے ہیں۔ آپ کا کام صرف نشاندہی کرنا تھا۔ وہ آپ نے کر دی۔ اب آپ آرام فرمائیں۔ باقی کام ہم کر لیں گے۔" تبریزی نے قاچار کو اپنے پیچھے آتے دیکھ کر نرم لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

"مگر میں نے ساتھ جانا ہے وزیر اعظم صاحب نے فرمایا تھا کہ میں آپ کی سربراہی کروں گا۔" قاچار نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"نہیں۔ آپ یہیں ٹھہریں۔ وزیر اعظم صاحب کو میں خود جواب دوں گا۔ آپ کے ساتھ آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تبریزی نے سخت لہجے میں کہا اور پھر وہ اچھل کر جیپ پر سوار ہو گیا۔

قاچار وہیں کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا۔ پھر تیزی سے مڑ کر کوٹھی کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

فنجانی بھی خاموشی سے مڑ کر دوبارہ درخت کی آڑ میں ہو گیا۔

جب جیپیں چلی گئیں اور قاچار بھی کوٹھی کے اندر چلا گیا تو اس نے تیزی سے جیب سے وہی

ڈبہ نکالا اور پھر اس کا بٹن دبانے لگا۔ اس با
سائیں سائیں کی آوازیں چند لمحوں بعد ہی سیٹی
کی آواز میں بدل گئیں۔

"ہامانی بول رہا ہوں۔ اوور" دوسری طرف سے
ہامانی کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید جاگتا رہا تھا
اس لئے اس بار بات چیت میں دیر نہیں لگی

"قنجانی بول رہا ہوں جناب۔ وزیر اعظم کا
حفاظتی دستہ تبریزی کی سربراہی میں ابھی ابھی
یہاں پہنچا تھا۔ وہ لوگ نقلی جاسوسوں کو ساتھ
لے گئے ہیں۔ وہ انہیں وزیر اعظم ہاؤس میں
چھوڑیں گے۔ اور جناب قاچار نے انہیں اس لئے
بلوایا تھا تاکہ کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ
کیا جا سکے۔" اوور" قنجانی نے تیز تیز لہجے میں
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ۔ تو کیا اسے
کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر کا پتہ ہے اوور" ہامانی
نے بری طرح اچھلتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ اس نے بتایا ہے کہ یہ ہیڈکوارٹر
علیم کالونی کی کوٹھی نمبر تین سو بارہ میں ہے اوور"



قنجانی نے جواب دیا۔

"اوہ ویری گڈ۔ تو کیا قاچار بھی ان کے ساتھ
گیا ہے۔" ہامانی نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں جناب۔ وہ انہیں یہیں چھوڑ گئے ہیں
اوور۔" قنجانی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم اس کی نگرانی کرو۔ اوور
اینڈ آل۔" ہامانی نے جواب دیا اور قنجانی نے بٹن
دبا کر ڈبہ واپس جیب میں رکھا اور پھر مطمئن
ہو کر کوٹھی کی نگرانی میں مصروف ہو گیا۔

مسلم اصفہانی اور اسفند یار دونوں شیشے کی دیوار میں سے فیصل شہزاد اور ڈریکولا کا بُرا حشر دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

"تمہاری ایک ایک ہڈی اسی طرح ٹوٹے گی۔ تم نے مجھے بے حد ستایا ہے۔ اب میں انتقام لوں گا۔ بھرپور انتقام۔" مسلم اصفہانی نے قہقہے لگاتے ہوئے کہا۔

"ارے باس یہ لنگور کا بچہ کہاں چڑھ گیا ہے۔" اچانک اسفند یار نے چیخ کر حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ یہ تو بلب نکال رہا ہے۔ ٹھہرو۔ میں اس کا حشر ابھی کرتا ہوں۔" مسلم اصفہانی نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔ اور پھر اس نے



مشین کے کونے میں لگے ہوئے ہینڈل کی طرف تیزی سے ہاتھ بڑھایا۔ ہینڈل چونکہ اس کے بازو کی پہنچ سے دور تھا۔ اس لیے اسے کرسی سے اٹھنا پڑا۔

"باس وہ بلب نکال کر دوبارہ فٹ کر رہا ہے۔" اسفند یار نے کہا۔

اور اسی لمحے مسلم اصفہانی کا ہاتھ ہینڈل پر جم گیا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ ہینڈل کھینچتا اچانک ایک جھماکا ہوا اور ہر طرف گھپ اندھیرا چھاتا چلا گیا۔ چلتی ہوئی مشین بھی یکدم ساکت ہو گئی تھی۔

"یہ کیا ہوا۔ یہ فیوز کیوں اڑ گیا۔" مسلم اصفہانی نے اندھیرے میں چیختے ہوئے کہا۔

"باس اس لنگور کے بچے نے ہولڈر میں سکہ ڈال کر دوبارہ بلب فٹ کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے فیوز اڑا دیا ہے۔" اسفندیار کی آواز اندھیرے میں گونجی۔

"اوہ۔ اوہ یہ بہت بُرا ہوا اسفند یار، بہت بُرا ہوا۔ جب تک ہولڈر سے یہ سکہ نہیں نکلے

گا فیوز نہیں لگ سکتا۔" مسلم اصفہانی نے کہا اور پھر وہ اندھیرے میں ٹکریں کھاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور پھر اسی طرح ٹکریں کھاتا دروازے سے باہر نکلا اور پھر اندھیرے میں ہی دیوار کو ہاتھ لگاتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا

جب اس نے دیوار میں پہلا دروازہ محسوس کیا تو وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ہاتھوں سے ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا مگر دوسرے لمحے وہ منہ کے بل آگے کی طرف گرا۔ اس کے پیروں میں کوئی چیز اٹک گئی تھی۔ اس کا اوپری دھڑ میز پر جا گرا تھا۔

ایک لمحے کے لئے تو اسے یہی محسوس ہوا کہ اس کا سانس ہمیشہ کے لئے رک گیا ہے کیونکہ میز کا کونا اس کے سینے میں جا لگا تھا اور ناقابل برداشت تکلیف ہوئی تھی۔ مگر پھر جھٹکے سے اس نے اپنے آپ کو کھڑا کیا۔ اس کا دماغ چکرا رہا تھا۔ مگر پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور پھر ہاتھوں سے ٹٹول کر وہ



میز کی دراز کھول کر اندر ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا اور دوسرے لمحے اس کے ہاتھ میں ٹارچ آ گئی۔ اور اس نے ٹٹول کر اس کا بٹن دبا دیا۔

بٹن دبتے ہی تیز روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ اور مسلم اصفہانی نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔ اب ٹارچ کی مدد سے وہ آسانی سے سب کام کر سکتا تھا۔

وہ تیزی سے مڑ کر کرسی پر بیٹھا اور پھر میز پر پڑے ہوئے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا کر اس نے ٹارچ کی روشنی میں اس کے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔

چند لمحے دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔ دوسری طرف سے ایک بھاری سی آواز سنائی دی۔

"قزان۔ میں مسلم اصفہانی بول رہا ہوں۔ ایسا کرو۔ گیس اسکواڈ کو جاسوسوں والے تہہ خانے میں بھجوا دو۔ وہ پہلے فلائم گیس اندر پھینک کر

ان جاسوسوں کو بیہوش کریں گے۔ پھر وہ اند
جا کر فانوس کا بلب اتار کر بلکہ نکالیں گے
اور بلب دوبارہ فٹ کر دیں گے۔ اس مقصد
کے لئے وہ ایک بڑی سی سیڑھی بھی ساتھ
لے جائیں گے۔ اس کے بعد تم فیوز بدل دینا
اور روشنی دوبارہ لوٹ آئے گی"۔
مسلم اصفہانی نے اسے ہدایات دیتے ہوئے
کہا
"لیکن جناب ہر طرف تو گھپ اندھیرا ہے
یہ کام کیسے ہو گا۔" قمران نے جھجکتے ہوئے کہا
"احمق آدمی۔ اسٹور سے ٹارچیں نکلوا لو"۔ مسلم
اصفہانی نے غصے سے دہاڑتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔ ٹھیک ہے جناب مجھے اس کا تو
خیال ہی نہیں آیا تھا"۔ قمران نے خوشی سے
چہکتے ہوئے کہا۔
"میں یہیں بیٹھا ہوں مجھے فوراً رپورٹ کرنا
اور سب کام احتیاط سے ہونا چاہیئے۔" مسلم
اصفہانی نے کہا۔
"بہت اچھا جناب۔ ابھی دس منٹ میں سب



کام مکمل ہو جائے گا۔" قمران نے جواب دیا اور
مسلم اصفہانی نے او کے کہہ کر رسیور رکھ دیا۔
اب وہ مطمئن تھا کہ کام صحیح طور پر مکمل ہو
جائے گا۔ وہ چند لمحے وہاں بیٹھا سوچتا رہا۔
پھر وہ تیزی سے اٹھا اور ٹارچ کی مدد سے
دیکھتا ہوا باہر راہداری میں آ گیا۔ اسے اچانک
خیال آ گیا تھا کہ یہ جاسوس بیحد چالاک اور
ہوشیار ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گیس اسکواڈ کو ڈاج
دے جائیں۔
اس لئے اس نے یہی مناسب سمجھا کہ
وہ خود جا کر ان کی نگرانی کرے اور پھر وہاں
پہنچنے کے لئے وہ تیز تیز قدم اٹھاتا راہداری
میں بڑھتا چلا گیا۔
راہداری سے گزر کر جب وہ اوپر کمرے
میں پہنچا تو اچانک ٹھٹھک کر رک گیا۔ کیونکہ اس
کی جیب میں پڑے ہوئے ٹرانسمیٹر سے ہلکی
ہلکی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔ اس نے تیزی سے
جیب سے ٹرانسمیٹر نکالا اور اس کا بٹن دبا دیا۔
"ہیلو ہیلو۔ شاہانی کالنگ چیف باس اوور۔"

دوسری طرف سے ایک تیز آواز سنائی دی۔

"اوور شاہانی۔ میں مسلم اصفہانی بول رہا ہوں کیا بات ہے اوور"۔ مسلم اصفہانی نے بڑی طرح چونکتے ہوئے کہا۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ شاہانی تو ابھی تک اس کی کوٹھی کے گرد پہرہ دے رہا تھا۔ جہاں قاچار نے پاکستانی جاسوسوں کو رکھا ہوا تھا۔

"چیف باس یہاں بڑی پُر اسرار سرگرمیاں سامنے آ رہی ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے قاچار باہر نکلا اور اس نے سیکرٹ سروس کے ایک آدمی کو کہا ہے کہ وزیر اعظم کا خصوصی باڈی گارڈ دستہ جیسے ہی کوٹھی پر پہنچے اسے اطلاع دی جائے۔ اور جناب وہ سیکرٹ سروس کا ممبر ڈبل کراس کر رہا ہے۔ اس نے یہی اطلاع سیکرٹ سروس کے سربراہ ہامانی کو بھی دی ہے اور ہامانی نے اسے ہوشیار رہنے کے لئے کہا۔ اس کے بعد جناب چار جیپوں پہ وزیر اعظم کا خصوصی دستہ وہاں پہنچ گیا اور پھر وہ پاکیشیائی جاسوسوں کو اپنے ہمراہ



لے گئے ہیں اور قاچار نے انہیں بتایا ہے کہ وہ کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنا چاہتا ہے اس نے کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر کا پورا پتہ بتایا۔ عظیم کالونی کوٹھی نمبر تین سو چار۔ مرزا ارش بیگ حکمت یار۔ اور وہ خصوصی دستہ قاچار کو وہیں کوٹھی پر چھوڑ کر پہلے وزیر اعظم ہاؤس جائے گا۔ تاکہ ان پاکیشائی جاسوسوں کو وہاں چھوڑا جائے اور پھر کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرے۔ ادھر سیکرٹ سروس کے ممبر نے اطلاع سیکرٹ سروس کے چیف ہامانی کو دے دی ہے اور یہی پتہ ہامانی کو بتایا ہے اور ہامانی شاید اپنے گروپ کو لے کر اس ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا ہے۔ اوور"۔ شاہانی نے پوری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ اوہ تم نے عجیب خبریں سنائی ہیں۔ قاچار کو اس پتے کا علم کیسے ہوا۔ اوور"۔ مسلم اصفہانی کے تو یہ سن کر صحیح معنوں میں ہوش اڑ گئے۔ کیونکہ پتہ واقعی درست تھا اور اس وقت وہ اس عظیم کالونی کی کوٹھی میں موجود تھا۔

"مجھے معلوم نہیں باس اوور" شاہانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"قاجار ابھی تک اسی کوٹھی میں ہے اوور" مسلم اصفہانی نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔ اوور" شاہانی نے جواب دیا۔

"وہاں اب سیکرٹ سروس کے کتنے آدمی ہیں اوور" مسلم اصفہانی نے پوچھا۔

"آٹھ افراد ہیں اوور" شاہانی نے جواب دیا۔

"اوکے۔ تم ایسا کرو کہ اس کوٹھی پر حملہ کر دو۔ اسے بموں سے اڑا دو۔ سیکرٹ سروس کے ہر آدمی کا خاتمہ کر دو۔ اور خاص طور پر قاجار کو کسی بھی حالت میں زندہ نہیں چھوڑنا۔ اس نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ اس کے بعد تم ہیڈکوارٹر آ جاؤ۔ اوور" مسلم اصفہانی نے سخت لہجے میں کہا۔

"بہتر چیف باس۔ ایسا ہی ہو گا" شاہانی نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوور اینڈ آل" مسلم اصفہانی نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر دیا۔ ٹرانسمیٹر کو ابھی اس نے جیب میں ہی ڈالا تھا کہ کوٹھی میں ایک جھماکے سے روشنی آ گئی اور مسلم اصفہانی بری طرح اچھلا۔ وہ سمجھ گیا کہ فیوز درست ہو گیا ہے۔ اور ظاہر ہے پروگرام پر پوری طرح عمل ہوا ہو گا۔ اس لئے روشنی آ گئی ہے۔

وہ تیزی سے آپریشن روم کی طرف بھاگا اور پھر چند ہی لمحوں بعد وہ ایک بڑے کمرے میں پہنچ گیا۔

کمرے میں پہنچتے ہی وہ تیزی سے کرسی پر بیٹھا اور پھر اس نے میز پر پڑے ہوئے انٹرکام کا بٹن آن کر دیا۔

"ہیلو تمران۔ میں مسلم اصفہانی بول رہا ہوں" مسلم اصفہانی نے تیز لہجے میں کہا۔

"یس باس۔ آپ کے لیے اہم خبر ہے۔ روشنی تو ہم نے ٹھیک کر دی مگر وہ پاکیشیائی جاسوس غائب ہیں۔ انہیں گیس سے بیہوش کیا گیا تھا لیکن وہ ہمارے آدمیوں کا خاتمہ کرکے باہر

نکل گئے۔ ہم نے دوسرے آدمی بھیجے لیکن وہ غائب تھے۔ میں ان کو تلاش کر رہا ہوں۔ ظاہر ہے وہ جلد پکڑے جائیں گے۔" قمران نے جواب دیا۔

"ان کو بھی تلاش کرو اور سنو۔ ایک اہم بات سنو۔ فوری طور پر ہیڈ کوارٹر کو کیموفلاج کر دو۔ دوسری اور تیسری منزل کا رابطہ کاٹ دو اور مرزا اطلس بیگ کو سامنے لے آؤ۔ سیکرٹ سروس کا چیف ہامانی ایک دستہ لیکر ہیڈ کوارٹر پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ اُدھر وزیر اعظم کا خصوصی باڈی گارڈ دستہ بھی آ رہا ہے۔ یہ لوگ جب پہنچیں تو انہیں ہیڈ کوارٹر میں مرزا اطلس بیگ اپنے ملازموں کے ساتھ ملے اور بس۔"

مسلم اصفہانی نے تیز تیز لہجے میں ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔ پھر تو ہمیں فوری ایکشن میں آ جانا چاہیئے۔" قمران نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ صرف رابطہ کاٹ دو وہ لوگ نیچے نہ آ سکیں گے اور نچلی منزل کی تمام کارروائیاں یکلخت روک دو۔ جب تک یہ لوگ واپس نہ چلے جائیں اور مرزا اطلس بیگ کو کہو کہ وہ ان پر پورا رعب ڈالے اور اگر ضرورت سمجھے تو براہ راست وزیر اعظم سے بات کرے۔ ایسے انداز سے انہیں بھگاؤ کہ ان کے ذہن میں دوبارہ یہ بات نہ آئے کہ یہ کوٹھی کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر ہو سکتی ہے، سمجھ گئے۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔

"میں بالکل سمجھ گیا جناب آپ بے فکر رہیں۔" قمران نے اس بار بااعتماد لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوکے۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔ اور پھر بٹن آف کر دیا۔

چند لمحوں بعد زور دار گڑگڑاہٹ کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور پھر نچلی منزل کی بڑی بڑی ٹیاں تیزی سے بند ہونے لگ گئیں اور مسلم اصفہانی کو یوں محسوس ہوا جیسے دنیا جامد ہو گئی

چلی جا رہی ہو۔ اور مسلم اصفہانی مطمئن ہو گیا کہ
تمران نے اس کے احکام پر پوری پوری پابندی
کرنی شروع کر دی ہے۔

اب مسلم اصفہانی کا خیال ان پاکیشیائی جاسوسوں
کے متعلق چلا گیا۔ جو تمران کے کہنے کے مطابق اس
کمرے سے غائب ہو گئے تھے اور وہ بُری طرح
چونک پڑا۔ کیونکہ اس وقت ہیڈ کوارٹر پر حملے کی وجہ
سے اسے اس کی اہمیت کا احساس نہ ہوا تھا۔

اس نے تیزی سے میز کے کنارے لگا ہوا ایک
بٹن دبایا۔ دوسرے لمحے ایک نوجوان تیزی سے اندر
داخل ہوا۔

"اسفندیار کہاں ہے، اسے بلاؤ۔" مسلم اصفہانی
نے تیز لہجے میں کہا۔

"جناب، وہ ان پاکیشیائی جاسوسوں کو تلاش کر
رہے ہیں۔ جو اچانک غائب ہو گئے ہیں۔" آنے
والے نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیتے ہوئے
کہا۔

"اوہ، اچھا ٹھیک ہے۔ جیسے ہی ان پاکیشیائی
جاسوسوں کے بارے میں اطلاع ملے مجھے اطلاع
دینا۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔" نوجوان نے مؤدبانہ لہجے
میں کہا۔

اور پھر وہ سلام کر کے تیزی سے باہر نکلتا
چلا گیا۔

مسلم اصفہانی کو یقین تھا کہ اسفندیار لازماً
ان پاکیشیائی جاسوسوں کو تلاش کر لے گا۔ کیونکہ
ہیڈ کوارٹر سے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں
تھا اور ویسے بھی وہ اسفندیار کے مزاج کو
اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ جب تک انہیں ڈھونڈ
نہیں نکالے گا، اطمینان اور سکون سے نہیں
بیٹھے گا۔ اسے سب سے زیادہ فکر تمران کی
طرف سے تھی کہ وہ کس طرح کام کرتا ہے کیونکہ
اس کی ایکٹنگ پر ہی ہیڈ کوارٹر کے بچنے کا
دار و مدار تھا۔

تھوڑی دیر بعد اچانک انٹر کام کی گھنٹی بج
اٹھی اور مسلم اصفہانی نے پھرتی سے رسیور اٹھا
لیا۔

"یس۔ مسلم اصفہانی بول رہا ہوں۔" مسلم اصفہانی

نے تیز لہجے میں کہا۔

"باس سب کام بخیریت ہو گیا ہے۔ باڈی گارڈ دستے کا انچارج بھی مرزا اطلس بیگ کا واقف تھا اور سیکرٹ سروس کا چیف بلامانی بھی معذرت کر کے چلے گئے ہیں کہ انہیں غلط اطلاع ملی ہے۔"

عمران نے خوشی سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"اوہ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ یہ بہت اچھا ہوا لیکن ابھی یہ صورتحال قائم رہنی چاہیے۔ وہ شاید چال نہ کھیل گئے ہوں۔ اور پھر دوبارہ پلٹ کر نہ آن دھمکیں۔"

مسلم اصفہانی نے کہا۔

"ٹھیک ہے جناب، صبح تک یہی صورت حال رہے تو اچھا ہے۔"

عمران نے جواب دیا۔

"اوکے۔" مسلم اصفہانی نے کہا اور رسیور رکھ دیا۔

اب اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار نمایاں تھے۔



اور اسی لمحے وہ ایک بار پھر چونک پڑا۔ جب اس کی جیب میں پڑے ہوئے ٹرانسمیٹر سے ہلکی ہلکی گونج نکلنے لگی۔

اس نے پھرتی سے جیب سے ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا بٹن دبا دیا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ شاہانی بول رہا ہوں اوور۔" دوسری طرف سے شاہانی کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ مسلم اصفہانی سپیکنگ۔ کیا رپورٹ ہے اوور۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔

"جناب۔ آپ کے حکم کی تعمیل ہو چکی ہے۔ کوٹھی کو بموں سے اڑا دیا گیا ہے۔ سیکرٹ سروس کے سارے ممبر قاچار سمیت ہلاک ہو چکے ہیں۔ قاچار کی لاش سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ چکی ہے۔ اوور۔" شاہانی نے جواب دیا۔

ویری گڈ۔ کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی اوور" مسلم اصفہانی نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔

"نہیں جناب۔ سب کام آسانی سے اور بغیر کسی رکاوٹ کے ہو گیا ہے۔ اور جناب قاچار نے مرنے سے پہلے ہمیں رشوت دینے کی

کوشش کی۔ لیکن ہم نے اسے مار ڈالا اور پھر تلاشی لینے پر میز کی خفیہ دراز سے پچاس لاکھ ریال کے نوٹ ملے ہیں اوور۔" شاہانی نے جواب دیا۔

"کہاں ہیں وہ نوٹ اوور۔" مسلم اصفہانی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی نوٹ تھے جو ان پاکیشائی جاسوسوں کو حاصل کرنے کے لئے اس نے قاچار کو دیئے تھے۔

"وہ میرے پاس موجود ہیں اوور۔" شاہانی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ وہ قاچار کو پاکیشائی جاسوسوں کو حاصل کرنے کے لئے دیئے تھے۔ تم انہیں ہیڈکوارٹر نمبر ۲ میں جمع کرا دو۔ اور سنو تم بھی اپنے ساتھیوں سمیت ہیڈ کوارٹر نمبر دو میں چلے جاؤ۔ بڑے ہیڈ کوارٹر کو فی الحال چھپا دیا گیا ہے۔ اوور" مسلم اصفہانی نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا۔

"بہت بہتر جناب۔ اوور۔" شاہانی نے



جواب دیا۔

"اوور اینڈ آل۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔ اور ٹرانسمیٹر کا بٹن آف کر کے اسے واپس جیب میں ڈال لیا۔

اب وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ اب اُسے صرف اسفند یار کی طرف سے پاکیشائی جاسوسوں کی زندہ یا مردہ دستیابی کی اطلاع کا انتظار تھا۔

ڈریکولا تیزی سے آگے بڑھا اور رخنے کے ساتھ دیوار سے چپٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ٹارچ پہلے ہی بجھا دی تھی۔ اور اپنا سانس تک روک لیا تھا۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے اس کے قریب آتی چلی گئیں اور پھر اچانک دو ٹارچوں کی روشنیاں اندر داخل ہوئیں۔

"ارے۔ یہ تو مرے پڑے ہیں۔" اور ایک کرخت آواز سنائی دی۔ اور پھر چار پانچ مسلح افراد تیزی سے اندر داخل ہوئے۔

ان سب کے رُخ چونکہ فانوس کے نیچے پڑے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف تھے اس لئے وہ ڈریکولا کو نہ دیکھ سکے اور جیسے ہی وہ



سب اندر آئے، ڈریکولا سانپ جیسی تیزی سے کھسکا اور پھر بلی کی طرح دبے قدموں رخنے ہی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

فیصل اور شہزاد کو اس نے کاندھے پر اٹھایا ہوا تھا۔ باہر نکلتے ہی وہ تیزی سے بغیر آواز نکالے آگے بڑھتا چلا گیا۔

یہ ایک راہداری تھی جو آخر میں جا کر اوپر جانے والی سیڑھیوں پر ختم ہوتی تھی۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر کو آیا اب وہ ایک کمرے میں موجود تھا۔

کمرے کے باہر اس نے قدموں کی آوازیں سنیں تو وہ دروازے میں رُک گیا۔

اس وقت اس کی حالت ایسی تھی جیسے ہرن شکاریوں کے جال میں پھنسا ہوا ہو۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ باہر دو آدمی ہیں جو دروازے کے باہر ایک دوسرے کی مخالف سمت میں چلتے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں۔

ڈریکولا نے تیزی سے فیصل اور شہزاد کو نیچے

لٹایا اور پھر مشین گن کے دستے کی نال کو پکڑ کر اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ اسی لمحے دونوں آدمی دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے دونوں چونکہ مخالف سمت میں جا رہے تھے۔ اس لیے ان کی ایک دوسرے کی طرف پشت تھی۔ ڈریکولا تیزی سے باہر نکلا اور پھر اس کی مشین گن کسی لاٹھی کی طرح فضا میں گھومی اور دائیں طرف جاتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہوتی چلی گئی۔

اسے ضرب لگاتے ہی ڈریکولا بجلی کی سی تیزی سے گھوما اور پھر جب تک پہلے آدمی کے فرش پر گرنے کا دھماکہ ہوتا وہ دوسرے کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ جو شاید کھوپڑی پھٹنے کی آواز سن کر پلٹنے ہی والا تھا۔ ڈریکولا نے اس کے سر پر بھی پوری قوت سے وار کیا۔ اور وہ بھی کٹے ہوئے شہتیر کی طرح نیچے گرتا چلا گیا۔

انہیں گرا کر ڈریکولا ایک بار پھر دروازے کی طرف پلٹا اور پھر جیسے ہی اس نے جھک کر فیصل اور شہزاد کو دوبارہ کاندھے پر لادا، اسے نیچے راہداری میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دیں شاید شیشے والے کمرے میں جانے والے اب واپس آ رہے تھے

ڈریکولا فیصل اور شہزاد کو لے کر تیزی سے دروازے سے نکلا اور اسی لمحے اس کی نظریں سامنے ایک گٹر کے دہانے پر پڑیں۔

اس نے تیزی سے ان دونوں کو دہانے کے قریب لٹایا اور جھک کر ایک جھٹکے سے گٹر کا بڑا ڈھکنا اٹھا لیا۔

نیچے لوہے کی سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ وہ تیزی سے نیچے اترتا چلا گیا۔ جب اس کا آدھا جسم نیچے اترا تو اس نے فیصل اور شہزاد دونوں کو اندر گھسیٹ لیا۔ پہلے اس نے فیصل کو گھسیٹ کر اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان دبایا اور پھر شہزاد کو گھسیٹ کر اس نے اسے اپنے پیٹ اور سیڑھی کے درمیان دبا لیا۔

اسی لمحے اسے کمرے میں دو آدمیوں کی آوازیں سنائی دیں اور اس نے بجلی کی سی تیزی سے گٹر کا ڈھکن گھسیٹ کر دہانے پر

جما دیا۔ اور خود ساکت کھڑا ہو گیا۔

"ارے یہ دونوں مرے پڑے ہیں۔ وہ لوگ ادھر سے نکلے ہیں۔ بھاگو۔ کونا کونا چھان مارو" ایک چیختی ہوئی آواز سنائی دی اور پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں ادھر اُدھر بکھر کر دور ہوتی چلی گئیں۔ جب وہاں سکوت طاری ہو گیا تو ڈریکولا نے سکون کا سانس لیا۔

اگر اسے ایک لمحے کی بھی دیر ہو جاتی تو ان کا پتہ چلا لیا جاتا۔ کیونکہ آنے والوں کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔

ڈریکولا نے پہلے شہزاد کو کاندھے پر لادا اور پھر فیصل کو ٹانگوں سے علیحدہ کرکے دوسرے کاندھے پر لادا۔ اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ جب وہ گٹر کے فرش پر پہنچا تو اس کی ٹانگیں گندے پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ لیکن اس نے پرواہ نہ کی۔ اور ٹارچ جلا کر وہ تیزی سے اس پانی میں چلتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

گٹر بہت بڑا تھا اور دور تک چلا گیا تھا بہت بڑا ہونے کی وجہ سے ہی اس میں گندی گیسیں اتنی زیادہ نہ تھی ورنہ تو ڈریکولا کا بھی دم گھٹ جاتا۔

کافی دور چلنے کے بعد اچانک اسے سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیں۔ اور گٹر کا ایک دہانہ بھی نظر آیا جو اوپر سے بند تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق وہ اب ہیڈکوارٹر سے نکل آیا تھا۔ اس لئے وہ سیڑھیاں اوپر چڑھتا چلا گیا۔

دہانے کے قریب پہنچ کر اس نے ایکبار پھر وہی پہلے والی حرکت کی۔ فیصل کو ٹانگوں میں دبایا اور شہزاد کو سیڑھی اور اپنے پیٹ کے درمیان رکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے آہستہ سے گٹر کے اوپر رکھے ہوئے لوہے کے ڈھکن کو کھسکایا۔ وہ بڑی آہستگی سے کام کر رہا تھا۔

جب دوسری طرف سے کوئی ردعمل نہ ہوا تو اس نے پورا ڈھکن ہٹا دیا اور سر باہر نکالا۔ دوسرے لمحے اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک اُبھر آئی۔ کیونکہ وہ ایک بڑی سڑک سے ہٹ کر کھیتوں کے درمیان موجود تھا اور

ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

اس نے شہزاد کو گٹر سے باہر ایک طرف لٹا دیا اور پھر فیصل کو بھی اسی طرح باہر نکالا اور دوسرے لمحے وہ خود بھی تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

باہر آکر اس نے ڈھکنے کو دوبارہ اپنی جگہ پر فٹ کیا اور پھر ان دونوں کو اٹھا کر اس نے کندھے پر لادا اور تیزی سے درختوں کے درمیان دوڑتا چلا گیا۔

وہ اس جگہ سے دور جلد از جلد چلا جانا چاہتا تھا۔ تاکہ اگر گٹر کے ذریعے بھی وہ لوگ تلاش کرتے ہوئے آئیں تو ان کا پتہ نہ چلا سکیں۔

"کافی دور نکل آنے کے بعد وہ کھیتوں کے درمیان پہنچ گیا۔ جہاں اونچی فصل اگی ہوئی تھی۔

یہاں فصل کے درمیان لا کر اس نے دونوں کو لٹایا۔ گٹر کا دہانہ اب بھی اسے دور سے نظر آ رہا تھا۔ اور دوسرے لمحے وہ چونک پڑا



کیونکہ اس نے گٹر کا ڈھکنا کھلتے دیکھا تھا اور اسی لمحے ایک خیال آتے ہی وہ اچھل پڑا اس نے کاندھے سے لٹکی ہوئی مشین گن اتاری اور تیزی سے اس کا رخ گٹر کی طرف کر دیا اسے خیال آ گیا تھا کہ اس کی ٹانگیں چونکہ پانی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس لئے ظاہر ہے گٹر سے باہر یہاں فصل تک چلتے ہوئے ہر طرف اس کے پیروں کے نشان بھی بن گئے ہوں گے بلکہ پانی بھی ٹپکتا رہا ہو گا۔ اور آنے والے نشانات کے ذریعے سیدھے ان تک پہنچ جائیں گے لیکن گٹر کا ڈھکن ہٹتے ہی ایک شخص کا سر نظر آیا۔ جو غور سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

وہ شخص باہر نہیں آیا بلکہ اندر ہی کھڑا دیکھتا رہا۔ چند لمحوں بعد سر واپس غائب ہو گیا اور پھر اندر سے ہی ڈھکن کو دوبارہ دہانے پر رکھ دیا گیا۔ اور ڈریکولا نے اطمینان کا طویل سانس لیا۔

سر باہر نکالنے والے کو اس بات کا خیال

ہی نہ آیا تھا کہ وہ یہ چیک کرے کہ دائرے کے باہر پانی ٹپکنے یا گیلے قدموں کے نشانات موجود ہیں۔ وہ صرف سر باہر نکالے ادھر اُدھر دیکھتا رہا تھا۔

اس کے واپس جاتے ہی ڈریکولا نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب وہ بچ گئے تھے۔ اور پھر اس نے فیصل اور شہزاد کو ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا۔

پہلے شہزاد کو ہوش آیا اور اس کے بعد فیصل کو۔ وہ دونوں پہلے تو حیرت سے پڑے اِدھر اُدھر دیکھتے رہے اور پھر تیزی سے اچھل کر بیٹھ گئے۔

"ہم کہاں ہیں۔ یہ تو کوئی فصل ہے"۔ ان دونوں نے یک آواز ہو کر پوچھا۔

"آقا ہم ان لوگوں کے ہیڈ کوارٹر سے باہر آ گئے ہیں"۔ ڈریکولا نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس نے ان کے بیہوش ہونے سے لیکر یہاں



تک پہنچنے اور وہاں تینوں سے جنگ ہونے والے اور اس کے ناکام واپس چلے جانے کی پوری تفصیل سنا دی۔

"اوہ ڈریکولا تم نے تو کمال کر دیا تم نے ہم دونوں کی جانیں بچا لیں۔ ہم دونوں کو اٹھا کر اس طرح کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر سے صحیح سلامت نکل آنا یہ تو معجزہ ہے معجزہ"۔ شہزاد نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ میرا فرض تھا آقا"۔ ڈریکولا نے بچوں کی طرح شرماتے ہوئے کہا۔

"شاباش ڈریکولا شاباش۔ تم واقعی ایک اچھے ساتھی ہو"۔ شہزاد نے اٹھ کر باقاعدہ ڈریکولا کی پشت پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"ہم اب تو زندہ سلامت اپنے وطن پہنچ جائیں گے نا"۔ فیصل نے رو دینے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل فیصل۔ اب سارا مسئلہ حل ہو گیا ہے"۔ شہزاد نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور فیصل خوشی سے اچھلنے لگا۔

اسی لمحے وہ دونوں ایک بار پھر چونک پڑے کیونکہ انہوں نے دور سڑک کے پار ایک بڑی سی کوٹھی کے پھاٹک سے جیپوں کا ایک قافلہ سا باہر نکلتے دیکھا۔ ان میں سے چار جیپیں تو دائیں طرف مڑ کر چلی گئیں۔ جبکہ باقی آٹھ جیپیں اور ان کے پیچھے باہر نکلنے والی سیاہ رنگ کی بڑی سی کار بائیں طرف کو مڑ گئی۔ اور چند لمحوں بعد وہ دور چلی گئیں۔ ان کے باہر نکلتے ہی پھاٹک خود بخود بند ہو گیا۔

"میرے خیال میں یہی کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر ہے اور شاید ہماری وجہ سے یہ لوگ ہیڈ کوارٹر چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں" شہزاد نے کہا۔

"مگر آقا۔ ان کا تو بے پناہ سامان ہے وہاں، وہ کیسے یوں چھوڑ سکتے ہیں" ڈریکولا نے کہا۔

"شاید وہ عارضی طور پر چھوڑ گئے ہوں" فیصل نے رائے دیتے ہوئے کہا۔ اور شہزاد نے سر ہلا دیا۔ اس کا بھی یہی خیال تھا۔

"بہرحال اب ہم پہنچ نکلے ہیں۔ اب انہیں آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔ آؤ" شہزاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ دونوں بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

فصل سے نکل کر وہ سڑک کی طرف جانے کی بجائے درختوں میں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے

کافی دور آنے کے بعد انہیں دور سے روشنیاں دکھائی دیں۔ یہ کوئی چوک تھا اور وہ بڑی احتیاط سے ان روشنیوں کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ان روشنیوں کے قریب پہنچ گئے۔ یہ واقعی چوک تھا۔ جہاں ایک پٹرول پمپ اور کیفے تھا۔ کیفے سے باہر ایک طرف پبلک فون بوتھ نظر آ رہا تھا۔

"تم دونوں یہیں رکو۔ ہم سب کا اکٹھے سامنے آنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ میری جیب میں چند سکے ہیں۔ میں ایک فون کر لوں" شہزاد نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ اور وہ دونوں

سر ہلاتے ہوئے وہیں رک گئے جبکہ شہزاد آگے بڑھتا چلا گیا

وہ پٹرول پمپ اور کینٹین کی پشت سے ہوتا ہوا سڑک پر آیا۔ اور پھر فون بوتھ کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ فون بوتھ کے قریب ہی ایک بڑا سا بورڈ نصب تھا۔ جس پر عظیم کالونی لکھا ہوا تھا

شہزاد بورڈ کو دیکھ کر سر ہلاتا ہوا بوتھ میں داخل ہو گیا۔ اس نے اندرونی جیب میں پڑے ہوئے سکے نکالے اور پھر انہیں فون کے سوراخ میں ڈال کر اس نے ریسیور اٹھایا اور تیزی سے نمبر گھمانے شروع کر دیئے۔

"ہیلو۔ پی اے ٹو وزیر اعظم۔ چند لمحوں بعد ہی دوسری طرف سے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"وزیر اعظم صاحب سے بات کرا دیں۔ میں پاکیشیائی جاسوس شہزاد بول رہا ہوں" شہزاد نے سخت لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ۔ آپ کہاں سے بول رہے ہیں۔ آپ



بخیریت تو ہیں۔ وزیر اعظم صاحب آپ کی طرف سے بے حد پریشان ہیں۔ اس وقت بھی سیکرٹ سروس کے چیف کے ساتھ وہ آپ کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔"

پی۔ اے نے حیرت بھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہم بخیریت ہیں۔ آپ ان سے بات کرائیں پلیز ذرا جلدی کریں۔" شہزاد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"او کے۔ ایک منٹ ہولڈ آن کریں" دوسری طرف سے کہا گیا۔ اور شہزاد خاموش ہو رہا۔ چند لمحوں بعد فون میں سے وزیر اعظم کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو۔ کون بول رہا ہے" ان کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"میں شہزاد بول رہا ہوں جناب۔ آپ برائے مہربانی سیکرٹ سروس کے سامنے میرا نام نہ لیں۔ یہاں کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔" شہزاد نے تیز تیز لہجے میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے مگر کہاں سے بول رہے ہو؟" وزیر اعظم نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"جناب ہم اس وقت عظیم کالونی کے چوک پر موجود ہیں۔ جہاں ایک پٹرول پمپ اور ایک کیفے اسشراز موجود ہے۔ وہیں پر فون بوتھ ہے۔ ہم کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر سے بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلے ہیں۔ آپ کی سیکرٹ سروس نے تو ہمیں کالا گلاب کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔" شہزاد نے کہا۔

"مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ سنو باقی باتیں بعد میں یہیں ہوں گی۔ میں اپنا خصوصی دستہ وہاں بھیج رہا ہوں، تم ان کے ساتھ آ جاؤ۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"نہیں جناب۔ اب ہم کسی پر اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر آپ تکلیف کریں تو خود آ جائیں۔" شہزاد نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں خود پہنچ رہا ہوں، اپنے خصوصی باڈی گارڈ دستے کے ہمراہ۔ تم وہیں رہو" وزیر اعظم نے جواب دیا اور اس کے ساتھ ہی رابطہ ختم ہو گیا۔

شہزاد نے بھی ریسیور رکھ دیا اور وہ آہستہ سے بوتھ سے نکلا اور ایک بار پھر کیفے اور پٹرول پمپ کے پیچھے سے ہوتا ہوا اپنے ساتھیوں کے قریب پہنچ گیا۔

"ہو گئی بات۔" فیصل نے پوچھا۔

"ہاں ہو گئی۔ وزیر اعظم صاحب خود اپنے خصوصی باڈی گارڈ دستے کے ساتھ آ رہے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"بس اب یہاں رکنا نہیں۔ ہم یہاں سے سیدھے ائیرپورٹ جائیں گے۔ چاہے جہاز جاتا ہو یا نہ، ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" فیصل نے کہا۔

"مگر وہ کالا گلاب اور مسلم اصفہانی۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لعنت بھیجو ان پر، یہ یہاں کی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ انہیں تلاش کرے۔ ہم تو خواہ مخواہ کے عذاب میں پڑ گئے ہیں۔" فیصل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ اور شہزاد ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد ایک جھنڈا لہراتی کار جس کے
آگے پیچھے دو بڑی جیپیں موجود تھیں چوک کے
دائیں طرف سے آئیں اور پھر تیزی سے فون
بوتھ کے سامنے رکتی چلی گئیں۔

"آؤ فیصل۔ وزیر اعظم صاحب آ گئے ہیں"
شہزاد نے کہا۔

اور پھر وہ تینوں تیزی سے دوڑتے ہوئے
سڑک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ شہزاد زور زور
سے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

اور پھر انہیں دیکھ لیا گیا اور کار اور
جیپیں تیزی سے ان کی طرف بڑھتی چلی آئیں۔
پھر وزیر اعظم صاحب خود دروازہ کھول کر
نیچے اتر آئے۔ اور انہوں نے فیصل اور شہزاد
کو گلے سے لگا لیا۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تم لوگ زندہ ہو
ورنہ میری تو جان پر بن آئی تھی۔" وزیر اعظم
صاحب نے پرخلوص لہجے میں کہا۔

"جی ہاں یہ سب ہمارے اس ساتھی کی
مہربانی ہے ورنہ اس بار ہم بڑے پھنسے تھے"
شہزاد نے پیچھے کھڑے ہوئے ڈریکولا کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور ڈریکولا کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔

اس کے بعد فیصل اور شہزاد تو وزیر اعظم
کے ساتھ کار میں بیٹھ گئے۔ لیکن ڈریکولا کے
کپڑے چونکہ خراب تھے۔ اس لئے اسے جیپ
میں سوار کر دیا گیا۔ اور قافلہ واپس ہو کر تیزی
سے وزیر اعظم ہاؤس کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

مسلم اصفہانی اپنے کمرے میں بڑے مطمئن انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اچانک دروازے میں سے اسفند یار اندر داخل ہوا۔

"مل گئے وہ شیطان جاسوس، کہاں چھپے تھے" مسلم اصفہانی نے اسے دیکھتے ہی چونک کر کہا۔

"نہیں باس۔ وہ نہیں ملے۔ وہ تو کوئی جن معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ہیڈ کوارٹر کی ایک ایک اینٹ چیک کی ہے۔ حتیٰ کہ گٹر میں بھی آدمی اتارے ہیں۔ لیکن وہ تو بس اچانک یوں غائب ہو گئے ہیں جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ رہا ہو۔" اسفند یار نے ڈھیلے



سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ کیا کہہ رہے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا تو ناممکن ہے وہ کہاں جا سکتے ہیں" مسلم اصفہانی نے غصے سے چیختے ہوئے کہا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں نے جناب ہر جگہ چھان ماری ہے کوئی کونا نہیں چھوڑا۔ وہ کمرے سے نکل کر راہداری میں سے ہوتے ہوئے کمرے میں آئے۔ اور باہر نکلے یہاں تک تو پتہ چلتا ہے۔ کیونکہ وہاں دو آدمیوں کی کھوپڑیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ لیکن اس کے بعد وہ کہاں چلے گئے۔ انہیں آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی کچھ پتہ نہیں چلتا۔" اسفند یار نے جواب دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔ میں خود دیکھتا ہوں۔" مسلم اصفہانی نے کہا۔

اور پھر وہ تیزی سے دوڑتا ہوا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔ اسفند یار بھی اس کے پیچھے تھا۔

مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں

جلد ہی اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں فیصل
شہزاد کو اذیت دینے کا پروگرام بنایا گیا تھا۔
اس میں ابھی تک ان لوگوں کی لاشیں پڑی
ہوئی تھیں جنہیں ڈریکولا نے ختم کیا تھا۔
مسلم اصفہانی چند لمحے کھڑا وہاں سوچتا رہا
پھر وہ تیزی سے واپس مڑا اور واپس راہداری میں
آ گیا۔

"اب ادھر تو راستہ نہیں ہے، اس لئے
ظاہر ہے ادھر ہی گئے ہوں گے" مسلم اصفہانی
نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں وہ واقعی ادھر ہی گئے ہیں کیونکہ
سیڑھیوں کے اوپر والے کمرے کے باہر دو آدمیوں
کی لاشیں ملی ہیں" اسفند یار نے کہا۔
اور مسلم اصفہانی سر ہلاتا ہوا تیزی سے
واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سیڑھیاں
چڑھنے کے بعد وہ اوپر والے کمرے میں پہنچا
اور پھر کمرے سے باہر صحن میں نکل آیا۔
"وہ دو لاشیں پہرے داروں کی تھیں، ایک
ادھر پڑی ہوئی تھی اور دوسری اُدھر" اسفند یار



نے باقاعدہ جگہوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا۔
"تو اس کا مطلب ہے وہ یہاں یقیناً پہنچے
ہیں" مسلم اصفہانی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔
"جی ہاں۔ بس یہیں تک ان کا سراغ ملا
ہے۔ اس کے بعد ان کا کچھ پتہ نہیں چلا"
اسفند یار نے جواب دیتے ہوئے کہا۔
مسلم اصفہانی خاموشی سے اِدھر اُدھر دیکھتا
رہا اور پھر اس کی نظریں گٹر کے ڈھکن پر
جم گئیں۔
"وہ یقیناً اس گٹر کے راستے فرار ہوئے
ہوں گے۔ اس جیسا دوسرا دہانہ کوٹھی کے باہر
نہیں ہے" مسلم اصفہانی نے کہا۔
"جی ہاں۔ باہر درختوں کے درمیان ہے۔
میں نے آدمی اس میں اتارے تھے۔ وہ دونوں
اطراف کے دہانوں تک چیک کر آئے ہیں"
اسفند یار نے کہا۔
"میرے ساتھ آؤ" مسلم اصفہانی نے کہا اور
پھر وہ تیزی سے بھاگتا ہوا ایک کونے کی
طرف بڑھتا چلا گیا۔ کونے سے سیڑھیاں چڑھتا

ہوا وہ اوپر آیا اور ایک کمرے میں پہنچ کر
اس نے جب سوئچ بورڈ کا بٹن دبایا تو
وہ کمرہ کسی لفٹ کی طرح اوپر چڑھتا چلا گیا
جب کمرہ رکا تو وہ دروازہ کھول کر باہر آ گیا
اب وہ کوٹھی کے اوپر والے حصے میں تھا
جہاں ایک مشہور سیاسی لیڈر مرزا ارطش
بیگ حکمت یار کو رہتا ہوا ظاہر کیا گیا تھا
تاکہ اگر چھاپہ بھی پڑے تو کسی کو یہ خیال
بھی نہ آ سکے کہ مرزا ارطش بیگ حکمت یار
والی کوٹھی میں بھی ہیڈ کوارٹر ہو سکتا ہے
ان کے باہر نکلتے ہی ایک طرف سے
ایک نوجوان ہاتھ میں مشین گن اٹھائے تیزی
سے ان کی طرف آیا۔
"تمران کیا ہو رہا ہے؟" مسلم اصفہانی نے
نے نوجوان کو دیکھتے ہی پوچھا۔
"بالکل ٹھیک ہے جناب۔ وہ سب لوگ
مطمئن ہو کر چلے گئے۔ مرزا صاحب اب اندر
آرام فرما رہے ہیں" نوجوان نے مؤدبانہ لہجے
میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ وہ اوپر والے

حصے کا انچارج تھا۔
"ایک ناپچ لے آؤ جلدی" مسلم اصفہانی
نے تمران سے کہا۔
اور تمران نے بیلٹ سے بندھی ہوئی
ٹارچ کھول کر مسلم اصفہانی کے ہاتھ میں
دے دی۔
"آؤ میرے ساتھ تم بھی تمران"
مسلم اصفہانی نے تمران اور اسفند یار سے
مخاطب ہو کر کہا۔
اور پھر وہ تینوں تیزی سے گیٹ کی
طرف بڑھتے چلے گئے۔
تمران نے آگے بڑھ کر گیٹ کھولا اور
پھر وہ باہر آ گئے۔
باہر ہر طرف سنسانی اور ویرانی تھی کیونکہ
عظیم کالونی شہر سے ہٹ کر نئی تعمیر ہوئی
تھی۔ اس لئے رات کے وقت وہاں کوئی
ٹریفک نہ ہوتی تھی۔
پھاٹک سے نکل کر انہوں نے سڑک
کراس کی اور درختوں کے درمیان گھستے چلے

گئے

"کہاں ہے وہ گٹر کا دہانہ" مسلم اصفہانی اسفند یار سے مخاطب ہو کر کہا۔

"میرے ساتھ آیئے" اسفند یار نے کہا اور پھر وہ تیزی سے ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔

"یہ ہے باس" اس نے درختوں کے درمیان سڑک سے کافی ہٹ کر گٹر کے دہانے پر پڑے ہوئی ڈھکن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور مسلم اصفہانی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ روشن کر دی۔

دوسرے لمحے وہ سب چونک پڑے۔ کیونکہ دہانے کے قریب پانی کی موجودگی کے آثار ابھی تک موجود تھے۔ اور قدموں کے بھی ہلکے ہلکے نشان موجود تھے۔

"یہ ہیں ان لوگوں کے نشانات۔ وہ اسی دہانے سے نکلے ہیں" مسلم اصفہانی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مگر باس یہ تو ایک آدمی کے قدموں کے نشانات ہیں۔ باقی دو کہاں گئے" اسفند یار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ دونوں لڑکے بیہوش ہو گئے ہوں اور وہ ڈریکولا انہیں کندھے پر اٹھا کر نکلا ہو۔ بہرحال ابھی پتہ چل جائے گا" مسلم اصفہانی نے کہا اور پھر وہ قدموں کے نشانات کے سہارے آگے بڑھتے چلے گئے

چند لمحوں بعد وہ فصل کے قریب پہنچ گئے اور پھر انہوں نے وہ جگہ چیک کر لی، جہاں وہ لوگ موجود رہے تھے۔ کیونکہ وہاں فصل کافی روندی ہوئی تھی۔

"باس! یہ کن لوگوں کا ذکر ہے" تمران نے پہلی بار پوچھا۔

"وہ پاکیشیائی جاسوس نکل بھاگے ہیں" مسلم اصفہانی نے کہا۔

"اور پھر تو وہ چوک کی طرف گئے ہیں۔ نشانات تازے ہیں۔ اس وقت انہیں یہاں سے سواری نہیں مل سکتی۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں پکڑ سکتے ہیں" تمران نے کہا۔ اور مسلم

ہوئے۔ عمران کو وہیں روک کر مسلم اصفہانی اور
اسفند یار نیچے ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔

اور پھر چند لمحوں بعد مسلم اصفہانی۔ اسفندیار
کو لئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گیا
جہاں ہر طرف مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اور
بہت سے لوگ سفید کوٹ پہنے ان مشینوں
پر کام کر رہے تھے۔

مسلم اصفہانی تیزی سے ایک مشین کیطرف
بڑھا اور اس نے وہاں جا کر اُس مشین کو
آن کر دیا۔

دوسرے لمحے مشین کے اوپر نصب سکرین
روشن ہو گئی۔ اور اس پر ایک کمرے کا منظر
اُبھر آیا۔

اس کمرے میں وہ نقلی جاسوس ابھی تک
بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہ نقلی جاسوس
تھے جو مسلم اصفہانی نے فیصل شہزاد اور
ذریکولا کی جگہ بھجوائے تھے۔

"کاش یہ پاکیشائی جاسوس اور وزیر اعظم
اس کمرے میں کسی طرح پہنچ جائیں۔ تو ہمارا



مسئلہ حل ہو جائے۔" مسلم اصفہانی نے بغور
سکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ
آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ مگر کمرے میں کوئی شخص
داخل نہ ہوا۔

اب مسلم اصفہانی کے چہرے پر مایوسی کے
آثار نمایاں ہونے لگے۔

اور پھر اس نے مشین بند کرنے کے لئے
ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسی لمحے کمرے کا
دروازہ کھلا۔ اور پھر مسلم اصفہانی یہ دیکھ کر
خوشی سے اچھل پڑا کہ دروازے میں سے
وزیر اعظم اور وہ دونوں پاکیشیائی جاسوس
اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک اور مسلح آدمی
بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ شاید پہرے دار
تھا۔

"اب مزہ آیا نا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ
وزیر اعظم صاحب اور ان دونوں شیطان
لڑکوں کو کون بچاتا ہے۔"
مسلم اصفہانی نے خوشی سے اچھلتے ہوئے

اصفہانی نے سر ہلا دیا۔
اور پھر وہ تیزی سے چوک کی طرف بڑھتے چلے گئے۔
اور پھر وہ ابھی چوک سے تھوڑی ہی دور تھے کہ اچانک ٹھٹھک کر رک گئے کیونکہ انہیں فون بوتھ سے ذرا آگے دو جیپیں اور ایک کار رکتی نظر آئی
اسی لمحے انہوں نے فیصل شہزاد اور ڈریکولا کو تیزی سے دوڑ کر ان کاروں کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔
تمران نے انہیں گولی مارنے کے لئے مشین گن سیدھی کی ہی تھی کہ مسلم اصفہانی نے ہاتھ مار کر روک دیا۔
"پاگل ہو گئے ہو۔ رک جاؤ"۔ مسلم اصفہانی نے غصیلے لہجے میں کہا۔
"مگر باس وہ رینج میں ہیں"۔ تمران نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "یہ جیپیں ان کے باڈی گارڈ دستے کی ہیں۔ اگر ہم نے فائر کھولا تو یہ دستہ ہمیں بھاگنے بھی نہ دے گا۔ اور



انہوں نے عظیم کالونی کی ایک ایک اینٹ اڑا دینی ہے"۔
مسلم اصفہانی نے کہا اور تمران نے سر ہلا دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی وہ دل ہی دل میں مسلم اصفہانی کی عقلمندی کی داد دینے لگا۔
اور پھر انہوں نے دیکھا کہ جیسے ہی وہ ایشیائی جاسوس کار کے قریب پہنچے، وزیر اعظم باہر نکلے اور انہوں نے ان دونوں لڑکوں کو باری باری گلے لگایا اور تیسرے آدمی سے مصافحہ کیا۔
پھر وہ دونوں لڑکے وزیر اعظم کے ساتھ کار میں بیٹھ گئے جبکہ تیسرا آدمی جیپ میں سوار ہو گیا۔ اور پھر کار اور جیپیں تیزی سے واپس مڑ گئیں۔
"آؤ ابھی ایک موقعہ ہمارے پاس ہے۔ شاید کام بن جائے"۔ مسلم اصفہانی نے کہا اور پھر وہ تیزی سے واپس مڑا۔ پھر تقریباً بھاگتے ہوئے وہ کوٹھی میں داخل

ہوئے۔ عمران کو وہیں روک کر مسلم اصفہانی اور
اسفند یار پیچھے ہیڈ کوارٹر چلے گئے۔

اور پھر چند لمحوں بعد مسلم اصفہانی، اسفندیار
کو لئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گیا
جہاں ہر طرف مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ اور
بہت سے لوگ سفید کوٹ پہنے ان مشینوں
پر کام کر رہے تھے۔

مسلم اصفہانی تیزی سے ایک مشین کیطرف
بڑھا اور اس نے وہاں جا کر اُس مشین کو
آن کر دیا۔

دوسرے لمحے مشین کے اوپر نصب سکرین
روشن ہو گئی۔ اور اس پر ایک کمرے کا منظر
اُبھر آیا۔

اس کمرے میں وہ نقلی جاسوس ابھی تک
بیہوش پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہ نقلی جاسوس
تھے جو مسلم اصفہانی نے فیصل شہزاد اور
ڈریکولا کی جگہ بھجوائے تھے۔

"کاش یہ پاکیشیائی جاسوس اور وزیر اعظم
اس کمرے میں کسی طرح پہنچ جائیں۔ تو سارا
مسئلہ حل ہو جائے" مسلم اصفہانی نے بغور
سکرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بیٹھا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ
آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ مگر کمرے میں کوئی شخص
داخل نہ ہوا۔

اب مسلم اصفہانی کے چہرے پر مایوسی کے
آثار نمایاں ہونے لگے۔

اور پھر اس نے مشین بند کرنے کے لئے
ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسی لمحے کمرے کا
دروازہ کھلا۔ اور پھر مسلم اصفہانی یہ دیکھ کر
خوشی سے اُچھل پڑا کہ دروازے میں سے
وزیر اعظم اور وہ دونوں پاکیشیائی جاسوس
اندر داخل ہوئے تھے۔ ایک اور مسلح آدمی
بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ شاید پہرے دار
تھا۔

"اب مزہ آیا نا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ
وزیر اعظم صاحب اور ان دونوں شیطان
لڑکوں کو کون بچاتا ہے۔"
مسلم اصفہانی نے خوشی سے اچھلتے ہوئے

کہا اور پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر تیزی سے مشین کے دو تین بٹن دبا دیئے۔

مشین میں تیز گونج پیدا ہوئی اور ڈائلوں پر لگی ہوئی سوئیاں تیزی سے لگے ہندسوں کی طرف دوڑتی چلی گئیں۔

مسلم اصفہانی نے دانت بھینچتے ہوئے ان دونوں بٹنوں کے ساتھ لگے ہوئے ایک بڑے سے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

اور پھر اس نے ہینڈل کو پوری قوت سے نیچے دبا دیا۔ مشین میں سے چیخ سی بلند ہوئی اور پھر سکرین پر جھماکے سے تیز روشنی پھیلتی چلی گئی۔

"وہ مارا۔ ختم ہو گیا وزیر اعظم بھی اور پاکیشیائی جاسوس بھی۔ زندہ باد۔ آخر کار کالا گلاب جیت ہی گیا"

مسلم اصفہانی نے مشین کے بٹن آف کرتے ہوئے انتہائی خوشی بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ اپنے ماتحتوں کا خیال کئے بغیر بے اختیار کرسی سے اٹھ کر ناچنے لگا۔



واقعی عظیم فتح آخر کار کالا گلاب نے حاصل کی تھی عظیم ترین فتح۔ وہ شیطان پاکیشیائی جاسوس بھی ختم ہو گئے۔ اور ساتھ ہی کالا گلاب کا سب سے بڑا دشمن وزیر اعظم بھی اب جس نے وزیر اعظم بننا تھا وہ کالا گلاب کا خاص آدمی تھا۔ اس لئے ظاہر ہے اب حکومت عملاً کالا گلاب کی ہوتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں مسلم اصفہانی کی۔

اسی بنا پر وہ خوشی کی شدت سے ناچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"وہ تمہاری شکلوں والے نقلی جاسوس بھی یہاں ہیں مگر غضب کا میک اپ کیا گیا ہے۔" وزیر اعظم نے ساری باتیں کرنے کے بعد کہا۔

"ارے ہاں۔ ان کا تو ہمیں خیال ہی نہیں آیا تھا۔ وہ کہاں ہیں"۔ شہزاد نے کہا۔

"وہ ساتھ والی عمارت کے ایک کمرے میں موجود ہیں۔" وزیر اعظم نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"وزیر اعظم صاحب! شکر ہے آپ نے انہیں ساتھ والی عمارت میں رکھا ہوا ہے۔ وہ تو خوفناک بم ہیں۔" شہزاد نے مسکراتے



ہوئے کہا۔

"بم ہیں کیا مطلب"۔ وزیر اعظم صاحب نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

اور شہزاد نے انہیں مسلم اصفہانی سے سُنی ہوئی ساری بات بتا دی کہ کس طرح ان کے جسموں کے اندر بم ڈالے گئے ہیں۔ اور مسلم اصفہانی کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس طرح وہ وزیر اعظم اور وزیر اعظم ہاؤس کو اُڑا دے گا۔" شہزاد نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"اوہ یہ تو بہت خطرناک ہے۔ اس طرح تو وہ کسی بھی وقت وار کر سکتا ہے۔ انہیں فوراً یہاں سے ہٹانا چاہیئے"۔ وزیر اعظم نے اچھل کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ مگر پہلے چیک کر لینا چاہیئے کہ واقعی مسلم اصفہانی کی بات سچ ہے یا اس نے ویسے ہی گپ ماری ہے۔ بھلا آدمیوں کے جسموں میں بم کیسے ڈالے جا سکتے ہیں"۔ فیصل نے کہا جو اب تک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔

"ہاں مگر اسے تو ماہرین ہی چیک کر سکتے ہیں۔" وزیر اعظم نے کہا۔

اور پھر انہوں نے تیزی سے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"ٹھہریے۔ میرا خیال ہے ہمیں پہلے خود چیک کر لینا چاہیے۔ میرے پاس گائیگر ہے۔ اس سے بم کی موجودگی کا پتہ چل جائے گا۔" شہزاد نے رکتے ہوئے کہا۔

"کیا ضرورت ہے ماہرین خود ہی چیک کر لیں گے۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"نہیں۔ اگر بم نہ نکلے تو خواہ مخواہ ہمیں شرمندہ ہونا پڑے گا۔ ہمیں وہاں لے چلیے پہلے ہم خود چیک کر لیں گے۔ اور میں ذرا دیکھوں تو سہی کہ ہمارا میک اپ کیسے کیا گیا ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"اچھا چلو۔" وزیر اعظم نے مجبوراً رضا مند ہوتے ہوئے کہا۔ کیونکہ وہ ان لڑکوں کے سامنے اپنی بزدلی ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔

اور پھر وزیر اعظم ان دونوں کو لے کر کمرے سے باہر آ گئے۔

ڈریکولا کو پہلے ہی مہمان خانے میں بھیج دیا گیا تھا۔

باہر نکل کر وزیر اعظم نے ایک مسلح محافظ کو ساتھ لیا اور پھر وہ ایک طرف بنی ہوئی سفید رنگ کی چھوٹی سی عمارت کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

"اس کمرے میں ہیں شاید۔" وزیر اعظم نے ایک کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

اور شہزاد نے سر ہلا کر دروازہ کھولا۔ اور پھر جیب سے گائیگر نکال کر وہ اندر داخل ہوا۔

وزیر اعظم، فیصل اور مسلح محافظ بھی اندر آ گئے۔

شہزاد نے گائیگر ایک کے جسم کے ساتھ لگایا ہی تھا کہ ٹوں ٹوں کی تیز آوازیں نکلیں۔

"ارے ہاں بم ہے۔ واپس چلیں۔" شہزاد نے تیز لہجے میں کہا۔ اور پھر وہ تیزی سے واپس پلٹا۔ کیونکہ بموں کا یقین ہونے کے بعد وہ کم از کم وزیر اعظم کی جان خطرے میں نہ ڈال سکتا تھا۔

واپسی کا سنتے ہی سب سے پہلے فیصل باہر

باہر دوڑا۔ اور پھر وزیر اعظم اور بعد میں محافظ۔

لیکن ابھی انہوں نے باہر قدم اٹھانے ہی تھے کہ کمرے کے اندر ایک خوفناک اور کان پھاڑ دھماکہ ہوا۔

دھماکہ اتنا زور دار تھا کہ وہ سارے اچھل کر منہ کے بل زمین پر جا گرے۔

ان کو محسوس تو یہی ہوا تھا کہ پورا کمرہ فضا میں اڑ کر ان پر آ گرے گا۔ لیکن ان پر کوئی اینٹ پتھر نہ گرا۔ اور پھر چند لمحوں بعد وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

پوری عمارت میں خطرے کے سائرن بج اٹھے اور وہ تیزی سے ادھر کو دوڑنے لگے۔

"یہ کیا ہوا۔ کیا ہوا؟" وزیر اعظم نے اٹھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بموں کو پھاڑ دیا گیا ہے۔" شہزاد نے اٹھ کر کہا۔

اسی لمحے مسلح محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ وہ سب وزیر اعظم کو صحیح سلامت دیکھ کر مطمئن ہو گئے تھے۔



"اوہ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم باہر آ گئے تھے ...ا ہمارے بھی ٹکڑے اڑ جاتے۔" وزیر اعظم ...احب نے اطمینان کا طویل سانس لیتے ہوئے کہا

"لیکن یہ عمارت کیوں نہیں اڑی، دھماکہ تو بے حد ...ناک اور شدید تھا۔" فیصل نے ڈرے ڈرے ...لہجے میں پوچھا۔

"دراصل وزیر اعظم ہاؤس کی تمام عمارت ...م پروف بنائی گئی ہے۔ اندر بم پھٹے یا باہر ...ے پھینکا جائے، عمارت کو ذرہ برابر بھی نقصان ...نہیں ہو سکتا۔"

وزیر اعظم صاحب نے جواب دیا اور فیصل اور ...شہزاد نے سر ہلا دیئے۔ اب انہیں عمارت کے ...اڑنے کی وجہ سمجھ میں آئی تھی۔

اور پھر وہ مسلح محافظوں کے گھیرے میں ...چلتے ہوئے واپس اپنے خاص کمرے میں آ گئے۔

"اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو بچا لیا۔ ان بموں ...لے بھی عین اسی وقت پھٹنا تھا۔" وزیر اعظم ...صاحب نے کہا۔ وہ ابھی تک سہمے ہوئے تھے

"میرا خیال ہے۔ مسلم اصفہانی کسی مشین پر

ہمیں چیک کر رہا ہوگا جیسے ہی ہم اندر داخل
ہوئے اس نے مشین آن کر دی۔ لیکن اتنی دیر
میں ہم باہر آ چکے تھے۔ یہ تو شکر ہے کہ عمارت
بم پروف تھی ورنہ تو عمارت کا ملبہ ہی ہمیں
ختم کر ڈالتا۔ ویسے وہ یہی سمجھ رہا ہوگا کہ
ہم ختم ہو گئے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا اور
وزیر اعظم صاحب نے سر ہلا دیا۔

"وزیر اعظم صاحب! اب ہمیں فوری طور پر
اس کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دینا چاہیے ورنہ
ہو سکتا ہے وہ نکل جائے۔" شہزاد نے کہا۔

"تم ہیڈ کوارٹر کو پہچانتے ہو۔" وزیر اعظم
صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ وہ عظیم کالونی میں ہی ہے۔ ہم وہاں
سے تو نکل کر آئے تھے۔ سرخ رنگ کی بڑی
سی کوٹھی ہے۔ جہاں آپ کے کہنے کے مطابق
آپ کے حفاظتی دستے اور سیکرٹ سروس کے
چیف نے چھاپہ مارا مگر ناکام واپس آئے۔"
شہزاد نے کہا۔

"عظیم کالونی کی اس کوٹھی میں تو مرزا ارشد بیگ



بہت یار رہتے ہیں۔ مشہور سیاسی لیڈر وزیر اعظم
نے چونکتے ہوئے کہا۔

"وہی کوٹھی کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر ہے۔
سلم اصفہانی وہیں موجود ہے اور ہم وہیں سے
نکل کر آ رہے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"کیا کسی طرح اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے۔"
وزیر اعظم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ ہمارے ساتھ چلیے ہم ابھی ثابت
کر دیتے ہیں۔" شہزاد نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں خود تمہارے ساتھ چلتا
ہوں۔" وزیر اعظم نے کہا اور ساتھ ہی انہوں
نے قریب پڑا ہوا ٹیلیفون کا ریسیور اٹھایا
اور ایک نمبر دبا دیا۔

"یس سر۔ چیف آف باڈی گارڈ بول رہا
ہوں۔" دوسری طرف سے ایک مؤدبانہ آواز
سنائی دی۔

"سنو ہاشم رضا، اپنے پورے دستے کو تیار
کر لو۔ ان کے پاس ہر قسم کا اسلحہ ہونا چاہیے
ہم نے ابھی کالا گلاب کے ہیڈ کوارٹر پر

حملہ کرنا ہے۔" وزیر اعظم نے کہا۔

"مگر جناب ابھی تو ہم وہاں سے واپس آئے ہیں۔" ہاشم رضا نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"جو تم سے کہا جا رہا ہے وہ کرو۔ اور میرے ڈرائیور کو کہہ دو کہ وہ میری مخصوص کار خفیہ دروازے پر لے کر تیار رہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔" وزیر اعظم صاحب نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"بہتر جناب۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور وزیر اعظم نے رسیور رکھ دیا۔

"دیکھو ننھے دوستو۔ میں صرف تم لوگوں کی بے پناہ صلاحیتوں کے اعتماد پر وہاں جا رہا ہوں۔ اگر حکمت یار کی کوٹھی پر ہمارا چھاپہ ناکام رہا اور ہم اس کوٹھی کو کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر ثابت نہ کر سکے تو پھر میری وزارت بھی ختم ہو جائے گی اور میں پورے ایران میں بدنام ہو جاؤں گا۔" وزیر اعظم نے فیصل شہزاد سے مخاطب ہو کر کہا۔



"آپ بے فکر رہیں جناب۔ آپ کی عزت ہمیں اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے۔" شہزاد نے جواب دیا اور وزیر اعظم بے اختیار مسکرا دیے۔

اسی لمحے ایک آدمی نے اندر آ کر اطلاع دی کہ باڈی گارڈ دستہ اور مخصوص کار روانگی کے لئے تیار ہے۔

"آؤ چلیں۔"

وزیر اعظم نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ اور وہ دونوں بھی اٹھ کھڑے ہوئے

"ہمارے ساتھی کو بھی بلا لیجئے۔ اس بار ہمارے ہیڈ کوارٹر سے زندہ سلامت نکل آنے کا سہرا اسی کے سر ہے۔"

شہزاد نے کہا۔

"ہاں وہ واقعی تمہارا بہترین ساتھی ہے۔" وزیر اعظم نے کہا۔

اور پھر انہوں نے دروازے کے باہر کھڑے ہوئے مسلح دربان کو حکم دیا کہ وہ فیصل شہزاد کے ساتھی ڈریکولا کو لے کر خفیہ دروازے کے

پاس پہنچ جائے۔

مختلف راہداریوں اور خفیہ راستوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں پانچ بڑی بڑی کاریں موجود تھیں۔ اور بس کے قریب چاق و چوبند قسم کے نوجوان مشین گنیں اٹھائے بڑے مؤدبانہ انداز میں کھڑے تھے۔

اسی لمحے ڈریکولا بھی آنکھیں ملتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ شاید سو گیا تھا اور اُسے سوتے ہوئے اٹھایا گیا تھا۔

"آؤ ڈریکولا آج اس قصے کو ہی ختم کر ڈالیں تاکہ واپس جا کر اطمینان سے امتحان کی تیاری کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارا نام ہی سکول سے کٹ جائے۔"

شہزاد نے مسکراتے ہوئے ڈریکولا سے مخاطب ہو کر کہا۔

اور وزیر اعظم شہزاد کی بات سن کر بے اختیار ہنس پڑے۔

پھر ایک لمبی سی کار میں جس پر وزیر اعظم

سرکاری جھنڈا لہرا رہا تھا۔ وزیر اعظم، فیصل اور زاد بیٹھ گئے جبکہ ڈریکولا کو باڈی گارڈوں کے اتھ بٹھایا گیا۔

اور دوسرے لمحے ہال کی ایک دیوار تیزی سے اطراف میں سمٹتی چلی گئی۔ اور ایک چوکور نہ باہر جاتا نظر آیا۔

دوسرے لمحے یہ کارواں تیزی سے چلتا ہوا رے سے نکل کر اس چوڑے راستے سے ہوتا ہوا مین روڈ پر پہنچا اور دوسرے لمحے عظیم کالونی کی طرف مڑتا چلا گیا۔

کوٹھی کے بڑے کمرے میں مسلم اصفہانی اپنے
دو ساتھیوں سمیت داخل ہوا تو وہاں پہلے سے
بیٹھے ہوئے ایک باوقار چہرے والے آدمی
نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔
"باس! اس وقت آپ کی آمد کسی خاص
وجہ سے ہی ہو سکتی ہے۔"
باوقار چہرے والے نے مودبانہ لہجے میں کہا۔
"خوش ہو جاؤ حکمت یار۔ کل سے تم اس
ملک کے وزیر اعظم بن جاؤ گے۔"
مسلم اصفہانی نے بڑی سی کرسی پر بیٹھتے
ہوئے کہا۔
"ملک کا وزیر اعظم اور میں۔ یہ آپ کیا



کہہ رہے ہیں باس۔"
حکمت یار نے بُری طرح چونکتے ہوئے کہا۔
"سنو حکمت یار، میں نے موجودہ وزیر اعظم
کو بم پھاڑ کر اس کی رہائش گاہ میں ہی ہلاک
کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ پاکیشیائی
جاسوس بھی ختم ہو گئے ہیں۔ جو ایک عرصے
سے کالا گلاب کے لئے دردِ سر بن کر رہ گئے
تھے۔ اور کسی طرح ان شیطانوں کا خاتمہ ہی نہ
ہو رہا تھا۔"
مسلم اصفہانی نے بڑے مغرور سے لہجے میں
جواب دیتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔ مگر یہ کیسے ہو گیا، آپ تو یہاں موجود
ہیں۔" حکمت یار نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔
"کالا گلاب کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔ تم
ایسا کرو کہ ابھی سے سیاسی جوڑ توڑ شروع کر دو
کیونکہ تم اب حزب اقتدار پارٹی میں سب سے
زیادہ اہم آدمی ہو۔ اس لئے اب تمہیں وزیر اعظم
بننا چاہیئے۔ اور ویسے بھی میں نے یہ فیصلہ کیا
ہے کہ آئندہ اس ملک پر علی حکومت کالا

گلاب کی ہی رہنی چاہیے۔"
مسلم اصفہانی نے بڑے تجربہ بھرے لہجے میں کہا۔

"یس باس ہونا تو ایسا ہی چاہیے۔ مگر جب تک وزیر اعظم کی ہلاکت کا سرکاری اعلان نہ ہو جائے اس وقت تک ہمارا کسی سے بات کرنا خطرناک ثابت ہو گا۔ اس طرح عوام یہ سمجھیں گے کہ وزیر اعظم کو قتل کرانے میں ہمارا بھی ہاتھ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس ملک کے عوام موجودہ وزیر اعظم سے کتنی گہری محبت رکھتے ہیں۔"

مرزا ارطش بیگ حکمت یار نے کہا۔

"ہاں تمہاری یہ بات بھی درست ہے۔ بہرحال اب یہ تمہارا درد سر ہے۔ کہ تم سیاسی جوڑ توڑ کرتے رہو۔ بہرحال اب حکومت کالا گلاب کی ہونی چاہیے۔"

"مسلم اصفہانی نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا اس کے دونوں ساتھی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

"آپ بے فکر رہیں باس۔ ایسا ہی ہو گا۔"
مرزا حکمت یار نے بھی مؤدبانہ انداز میں اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر مسلم اصفہانی اپنے ساتھیوں سمیت کمرے سے باہر نکل گیا۔

مرزا حکمت یار جانتا تھا کہ وہ اب نیچے اپنے ہیڈ کوارٹر جا رہا تھا۔ ویسے اس کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے۔ اگر واقعی مسلم اصفہانی کی بات درست تھی کہ وزیر اعظم کو ہلاک کر دیا گیا ہے، تب پھر اس کا وزیر اعظم بن جانا یقینی بات تھی۔

وہ کچھ دیر بیٹھا اس معاملے پر غور کرتا رہا کہ صبح وزیر اعظم کی ہلاکت کا سرکاری اعلان ہونے کے بعد اسے کیا کیا اقدامات کرنے پڑیں گے۔ تاکہ وہ آسانی سے وزیر اعظم کی کرسی پر قبضہ کر سکے۔

اور پھر وہ ایک فیصلہ کن نتیجے پر پہنچنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا تاکہ صبح تک کچھ آرام کر لے اسے معلوم تھا کہ کل اسے بہت بھاگ دوڑ کرنی

پڑے گی۔ لیکن ابھی وہ کرسی سے اٹھا ہی تھا
کہ اچانک باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں
سنائی دیں اور مرزا تیزی سے باہر نکلا۔
مگر ابھی وہ دروازے سے باہر ہی تھا
کہ اچانک چند افراد دوڑتے ہوئے برآمدے
میں آئے اور انہوں نے مرزا کے سینے سے
مشین گن کی نالیں لگا دیں۔
"چلو اندر۔ خبردار اگر حرکت کی"
ان میں سے ایک نے چیختے ہوئے کہا۔
اور پھر وہ اسے دھکیلتے ہوئے کمرے میں
واپس لے آئے۔
"تم کون ہو؟"
مرزا نے سنبھل کر غصے میں کہا۔
"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ تبریزی جاؤ۔
پھاٹک کھول دو"
ایک نوجوان نے دوسرے سے کہا۔ اور
وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے کمرے سے باہر
نکلتا چلا گیا۔
تھوڑی دیر بعد قدموں کی آوازیں ابھریں



اور پھر دروازے سے داخل ہونے والی شخصیت
کو دیکھ کر مرزا حکمت یار بے اختیار اچھل
پڑا
کیونکہ اس کے سامنے وزیر اعظم زندہ
حالت میں کمرے میں داخل ہو رہے تھے
جبکہ مسلم اصفہانی نے ابھی بتایا تھا کہ وزیر اعظم
پاکیشیائی جاسوسوں سمیت ہلاک ہو چکا ہے
جبکہ وزیر اعظم کے ساتھ وہ دو پاکیشیائی لڑکے
بھی داخل ہو رہے تھے۔
"جناب وزیر اعظم صاحب یہ سب کیا ہے"
مرزا نے حیرت کے پہلے جھٹکے سے سنبھلتے
ہوئے قدرے تلخ لہجے میں وزیر اعظم سے
مخاطب ہو کر کہا۔
"مرزا ہم تو تمہیں محب وطن سمجھتے تھے۔
لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ تم تو ملک کے
غدار ہو۔ کالا گلاب کے آدمی ہو۔"
وزیر اعظم نے جواب انتہائی تلخ لہجے
میں دیتے ہوئے کہا۔
"آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ میں قومی

اسمبلی کے سامنے اس مسئلے کو پیش کروں گا" مرزا حکمت یار نے بڑے غصیلے لہجے میں کہا۔

"تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ حکمت یار۔ ابھی تمہاری غداری کے ثبوت سامنے آ جائیں گے" اچانک شہزاد نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ پہلے بھی آپ کے باڈی گارڈ اور سیکرٹ سروس کا سربراہ کوٹھی کی تلاشی لے کر گیا ہے۔ اب آپ خود آ گئے ہیں۔ آپ کو مجھ پر ایسا الزام بے حد مہنگا پڑے گا۔ وزیر اعظم صاحب میری بھی اس ملک میں کوئی سیاسی پوزیشن ہے" مرزا حکمت یار نے واپس کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

وزیر اعظم صاحب بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ جبکہ ان کا باڈی گارڈ دستہ مشین گنیں لئے سائیڈوں میں بڑے چوکنے انداز میں کھڑا تھا۔

شہزاد اور فیصل بھی ایک صوفے پر بیٹھ گئے ان دونوں کے چہروں پر گہرا اطمینان تھا جبکہ وزیر اعظم کے چہرے پر شدید بے چینی کے آثار نمایاں تھے۔

وہ بار بار پہلو بدل رہے تھے اور ان کی نظریں بار بار دروازے کی طرف اٹھتیں اور پھر مایوس ہو کر واپس آ جاتیں۔ انہیں ڈریکولا کا انتظار تھا جو باڈی گارڈز میں سے چند افراد کو ساتھ لیکر اس گٹر کے راستے ہیڈ کوارٹر میں داخل ہونے کے لیے گیا تھا۔

مگر چند لمحوں بعد وزیر اعظم کے ساتھ ساتھ فیصل اور شہزاد بھی ڈریکولا کو اندر آتے دیکھ کر چونک پڑے۔

ڈریکولا کے ساتھ وہ لوگ بھی اندر آ گئے تھے۔ جو ہیڈ کوارٹر میں داخل ہونے کے لئے گئے تھے۔

"ہاں۔ گٹر کا راستہ بند کر دیا گیا ہے" ڈریکولا نے اندر آ کر کہا۔

"اوہ۔ اچھا تو یہ چکر ہے" شہزاد نے بے اختیار اچھلتے ہوئے کہا۔

"اب کیا ہو گا۔"

وزیر اعظم نے چونکتے ہوئے کہا۔

ان کا چہرہ یکلخت بجھ گیا تھا۔ انہوں نے یہاں آ کر اپنا سارا سیاسی کردار داؤ پر لگا دیا تھا۔ اور اب اس مایوسانہ بات سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے لئے بہت بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔

مرزا حکمت یار کی سیاسی پوزیشن کو وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ اس نے ملک میں ان کے خلاف ہنگامہ برپا کر دینا ہے۔

"گھبرائیں نہیں جناب۔ ابھی سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔"

شہزاد نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا اور پھر وہ ڈریکولا کی طرف مڑا۔

"ڈریکولا۔ یہ مرزا حکمت یار تمہارا شکار ہے اسے فرفر بولنا چاہیئے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ خفیہ ہیڈ کوارٹر کا راستہ بتا دے۔"

شہزاد نے ڈریکولا سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بہتر آقا۔ یہ ابھی بولے گا اور خوب بولے



گا۔" ڈریکولا نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ تیزی سے کرسی پر بڑے اکڑے ہوئے انداز میں بیٹھے مرزا حکمت یار کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

"یہ کیا بدمعاشی ہے جناب اسے روکیں۔ کیا آپ اپنے سامنے ایک آزاد اور معزز شہری پر غنڈہ گردی کرتے ہوئے دیکھیں گے۔"

مرزا حکمت یار نے چونک کر اٹھتے ہوئے کہا۔

مگر وزیر اعظم نے خاموشی سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اب جو کچھ ہونا تھا ہو کر ہی رہے گا۔

"بیٹھ جاؤ۔ اطمینان سے بیٹھ جاؤ مسٹر۔" ڈریکولا نے مرزا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

اور مرزا دھڑام سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

مگر دوسرے لمحے اس کے حلق سے تیز چیخ نکل گئی۔

ڈریکولا نے اس کے بیٹھتے ہی اس کی پشت

کی طرف آ کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور اس کی دو
انگلیاں مرزا کی ناک کے نتھنوں میں داخل ہو
چکی تھیں اور اس نے زور سے جھٹکا دیا تھا
جس سے مرزا کے حلق سے بے اختیار چیخ
نکل گئی تھی۔

"جلدی بولو ورنہ"

ڈریکولا نے غراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی
ایک اور جھٹکا دیا۔ اس کا دوسرا ہاتھ مرزا کے
کاندھے پر جما ہوا تھا۔ مرزا بری طرح پھڑکنے لگا

"جلدی بولو ورنہ آنکھ پھوڑ دوں گا۔"

ڈریکولا نے ایک بار پھر کہا۔

"یہ ظلم ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا"

مرزا نے چیختے ہوئے کہا۔

اور دوسرے لمحے اس کے حلق سے دردناک
چیخ نکل گئی۔ اور وہ کرسی پر بُری طرح پھڑکتے
ہوئے نیچے فرش پر جا گرا۔

ڈریکولا نے بڑی بیدردی سے اس کی ایک
آنکھ میں انگلی گھسیڑ دی تھی۔ اور اس کی آنکھ
کا ڈھیلا پھٹ کر باہر آ گرا تھا۔ اور آنکھ سے



سرخ رنگ کی گندی سی رطوبت باہر نکلنے لگی
تھی

اس کے نیچے گرتے ہی ڈریکولا نے اسے یوں
کھینچ کر واپس کرسی پر پھینک دیا جیسے کوئی
بڑا آدمی کسی بچے کو اٹھا کر کرسی پر پھینکتا ہے

"بولو۔ ورنہ دوسری آنکھ کا بھی یہی حشر ہو
گا۔"

ڈریکولا نے دوسری آنکھ کی طرف انگلی بڑھاتے
ہوئے کہا۔

"رک جاؤ۔ رک جاؤ۔ میں بتاتا ہوں"

مرزا نے بری طرح چیختے ہوئے کہا۔

اور پھر درد میں ڈوبے ہوئے لہجے میں اس
نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ کوٹھی کے نیچے
کالا گلاب کا ہیڈ کوارٹر موجود ہے۔ اور اس نے
یہ راستہ بھی بتا دیا۔

"مگر وہاں حفاظت کے بڑے انتظامات ہیں
تم میں سے کوئی بھی وہاں نہیں گھس سکتا"

مرزا نے اکھڑتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں فوج کو بلا لیتا ہوں۔ واقعی کالا گلاب

بڑی تنظیم ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ یہاں سے بھی فرار ہو جائیں۔"

وزیر اعظم نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ اور پھر شہزادو کے سر ہلانے پر وزیر اعظم کے میز پر پڑے ہوئے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھے۔ اور چند لمحوں بعد وہ فوج کے سربراہ سے بات کر رہے تھے۔

"فوج آ رہی ہے وہ خود ہی سب کچھ سنبھال لے گی۔"

وزیر اعظم نے مطمئن لہجے میں کہا اور رسیور رکھ کر واپس کرسی پر آ بیٹھے۔

مرزا حکمت یار ابھی تک درد سے کراہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ تکلیف کی شدت سے بگڑا ہوا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا مرزا کہ تم جیسے لوگ بھی غدار ہو سکتے ہیں۔ یہ تو ان نوجوانوں کا ہی کام ہے جنہوں نے تم جیسے لوگوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ملک و قوم پر ان نوجوانوں کا بہت بڑا احسان ہے۔"

وزیر اعظم نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا

تھوڑی دیر بعد باڈی گارڈ دستے کے سربراہ، فوج کے اعلیٰ افسران کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے وزیر اعظم کو سیلوٹ مارا۔ وزیر اعظم نے انہیں خفیہ راستے اور ہیڈ کوارٹر کے بارے تمام تفاصیل سے آگاہ کیا۔

"سب کام احتیاط سے ہونا چاہئے۔ سب کو گرفتار کر لیا جائے۔"

وزیر اعظم نے انہیں ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

"آپ بے فکر رہیں جناب یہ ہمارا کام ہے جناب۔"

فوج کے اعلیٰ افسر نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا۔ اور پھر وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

تھوڑی دیر بعد پوری کوٹھی بھاری قدموں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ اور پھر انہیں فرش کے نیچے اور اوپر زور دار دھماکوں اور گولیوں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

یوں لگتا تھا جیسے دو فوجیں آپس میں ٹکرا

گئی ہوں۔

آدھے گھنٹے تک مسلسل ایسے ہوتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ سکوت طاری ہوتا گیا۔

"سکوت سے تو یہی مطلب ہے کہ فوج نے ہیڈ کوارٹر پر قبضہ کر لیا ہے۔"

وزیر اعظم نے کہا اور پھر چند لمحوں بعد ان کے اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔

کیونکہ فوجی جوان مسلم اصفہانی اور اس کے چار ساتھیوں کو بری طرح دھکیلتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

مسلم اصفہانی کی حالت بیحد خراب تھی۔ وہ خاصا زخمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔

"یہ پانچ افراد زندہ گرفتار ہوئے ہیں جناب باقی ہلاک ہو گئے ہیں۔"

ایک فوجی نے وزیر اعظم سے مخاطب ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے یہی سرغنہ ہے کالا گلاب کا اس کا خیال رکھنا۔ اس پر مقدمہ چلایا جائے گا۔

ور اس مرزا حکمت یار کو بھی لے جاؤ۔ یہ ان کا ساتھی ہے۔"

وزیر اعظم نے بڑے مطمئن لہجے میں کہا۔

فوجیوں نے آگے بڑھ کر مرزا حکمت یار بھی گرفتار کر لیا۔ اور پھر وہ انہیں دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئے۔

اسی لمحے اعلیٰ فوجی افسر اندر داخل ہوئے اور انہوں نے اپنی کامیابی کی رپورٹ دی۔

"تمام کاغذات پر قبضہ کر لو اور ملک میں ان کے جتنے بھی ساتھی ہیں ان کو آج رات گرفتار ہو جانا چاہیئے اور مجھے آپریشن مکمل ہونے کے بعد تفصیلی رپورٹ دی جائے۔"

وزیر اعظم نے حکم صادر کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ شہزاد، فیصل اور ڈریکولا کو لئے کار میں سوار ہو کر باڈی گارڈ دستے کے ہمراہ واپس وزیر اعظم ہاؤس کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہ خوش تھے بیحد خوش اور بار بار فیصل، شہزاد کو یوں گلے سے لگا لیتے جیسے وہ ان کے

سالوں سے بچھڑے ہوئے بیٹے ہوں۔

"تم واقعی عظیم ہو میرے بچو۔ تم عظیم ہو۔ تم جیسے نوجوان اپنے ملک کا ہی نہیں، پوری دنیا کے لئے قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔"

وزیر اعظم صاحب بار بار یہ فقرہ دہراتے۔

"سرمایہ تو ہوتے رہیں گے جناب فی الحال تو مجھے شدید بھوک لگی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے میں نے صدیوں سے کچھ کھایا ہی نہیں۔"

شہزاد نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ اور وزیر اعظم صاحب اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑے۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں کھلا کھلا کر تمہاری ساری حسرتیں آج پوری کر دوں گا۔"

انہوں نے شہزاد کے کاندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ پھر تو ساری محنت وصول ہو جائے گی"

شہزاد نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں واقعی کالا گلاب کی تباہی تمہاری ہی محنت کا نتیجہ ہے ورنہ اتنی زبردست تنظیم ہمارے تو بس سے باہر ہو گئی تھی۔" وزیر اعظم نے جواب دیتے ہوئے کہا۔



دوسرے روز اخبارات نے کالا گلاب کی تباہی پر پورے ایڈیشن چھاپے اور فیصل شہزاد اور ڈریکولا کو زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ ان دونوں کے اعزاز میں وزیر اعظم نے ایک خصوصی تقریب کا اہتمام کیا۔ جس میں اعلیٰ افسران کے ساتھ ساتھ تمام ملکوں کے سفیر بھی شامل ہوئے۔

فیصل شہزاد کے ملک کا سفیر تو خوشی سے اچھلا پھر رہا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ آخر اس کے ملک کے دو لڑکوں نے اتنا زبردست کارنامہ انجام دیا تھا۔

فیصل شہزاد اور ڈریکولا کی زبردست بہادری

عقلمندی اور ذہانت پر زبردست تقریریں ہوئیں۔ انہیں پھولوں کے ہاروں سے لاد دیا گیا۔

اور پھر وزیر اعظم نے انہیں اپنے ملک کا بہادری کا سب سے بڑا اعزاز پیش کیا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کیا گیا کہ فیصل شہزاد اور ڈریکولا کو اعزازی طور پر ملک آران کی شہریت دی جا رہی ہے۔ ان کے لئے کسی پاسپورٹ اور ویزے کی ضرورت نہیں ہے وہ جب چاہیں سرکاری مہمان کے طور پر آران آ جا سکتے ہیں۔ ان کو طلائی میڈل دیئے گئے اور انہیں آران کے دارالحکومت کی چابیاں پیش کی گئیں

تقریب کے بعد اخباری نمائندوں نے فیصل، شہزاد کو گھیر لیا اور شہزاد نے شروع سے لیکر اب تک کے تمام حالات تفصیل سے اخباری نمائندوں کو بتائے۔

کالا گلاب کی تباہی پر پورے ملک میں تین روز کے لئے جشن منانے کا اعلان کیا گیا۔ پورے ملک کو جھنڈیوں اور پھولوں سے دلہن کی طرح سجایا گیا اور فیصل شہزاد کی اسقدر دعوتیں



ہوئیں کہ شہزاد زندگی میں پہلی بار کھا کھا کر تنگ آ گیا۔

"اور کھاؤ گے؟" فیصل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میری توبہ۔ اب تو مجھے ایک سال تک بھوک نہیں لگے گی"

شہزاد نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا اور فیصل بے اختیار ہنس پڑا۔

تین روز بعد انہیں باقاعدہ طور پر گارڈ آف آنر پیش کر کے رخصت کیا گیا۔ اور وزیر اعظم سے گلے مل کر وہ اپنے ملک جانے والے جہاز میں سوار ہو گئے۔

جب ان کا جہاز اپنے ملک کے ایئرپورٹ پر پہنچا تو وہاں بھی ملک کے صدر وزیر اعظم اور اعلیٰ حکام ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ دونوں نے اپنے بہادرانہ کارناموں سے پوری دنیا میں اپنے ملک کا نام روشن کر دیا تھا۔

اور پھر یہاں بھی سرکاری طور پر ان کے اعزاز میں کئی دعوتیں دی گئیں۔ جن میں فیصل اور شہزاد کے سکول کے سارے ساتھی۔ ان کے ماسٹر اور ان کے والدین بھی شامل ہوئے۔

وہ سب فیصل شہزاد کی بہادری اور عقلمندی پر بڑھ چڑھ کر خوشیاں منا رہے تھے۔

"ہم نے اتنے عرصے تک پڑھا نہیں ہے۔ آپ ہمیں فیل تو نہیں کر دیں گے۔"

فیصل شہزاد نے اپنے سکول کے ہیڈ ماسٹر سے مخاطب ہو کر بڑے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"اگر تم نے امتحان میں غلطیاں کیں تو یقیناً فیل ہو جاؤ گے۔"

ہیڈ ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے باپ رے یہاں تو ذرا سی بھی رعایت نہیں ہے۔ ارے کہاں ہیں ہمارے بستے۔"

فیصل نے گھبرا کر شہزاد سے کہا اور دعوت میں موجود ہر شخص بے اختیار ہنس پڑا۔



دعوتوں سے فرصت ملنے کے بعد فیصل اور شہزاد نے اپنی پڑھائی پر پوری توجہ کرنی شروع کر دی۔ دن رات پڑھائی میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ سالانہ امتحان سر پر آ گئے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اگر انہوں نے پڑھا نہیں تو پھر ہیڈ ماسٹر صاحب یقیناً انہیں فیل کر دیں گے اور ان کی ساری عزت اور شان خاک میں مل جائے گی۔ اور انہوں نے پچھلی کمی بھی پوری کرنی تھی۔

اس لئے وہ کمروں میں بند ہو گئے اور اس طرح پڑھنے میں مصروف ہو گئے جیسے وہ ساری کتابوں کو چاٹ کر کھا جائیں گے۔

بیچارہ ڈریکولا تو بس انہیں چائے بنا کر دینے کے کام میں مصروف ہو گیا۔

اور پھر امتحان آ گئے۔ انہوں نے امتحان دیئے اور جس روز نتیجہ نکلا۔ اس روز وہ صحیح معنوں میں خوشی سے اچھل رہے تھے۔ کیونکہ وہ اس امتحان میں بھی اوّل آئے تھے۔ انہوں نے دن رات محنت کر کے پچھلی کمی بھی پوری کر لی تھی اور امتحان

بھی پاس کر لیا تھا۔ واقعی محنت کرنے والوں کیلئے کوئی کامیابی حاصل کرنا بھی مشکل نہیں ہوتا۔

ختم شد